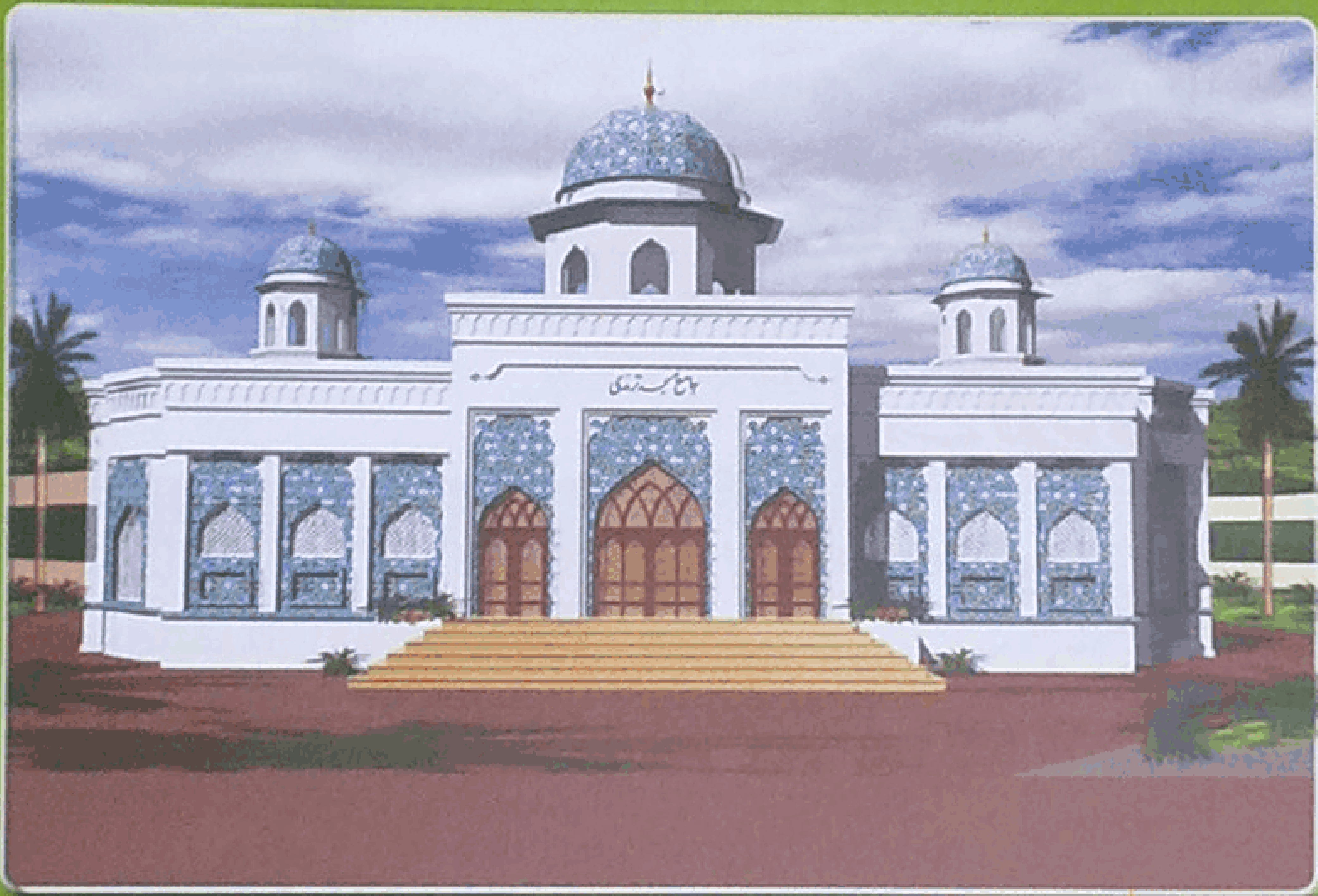
جامعہ حقانیہ کا ترجمان

مجلہ الحقانیہ

ساہیوال
سرگودھا

ربیع الاول ۱۴۳۳ھ / فروری 2012ء



بانی: فقیہ العصر حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی قدس سرہٗ

فہرست

خط و کتابت کیلئے: دفتر ماہنامہ الحقانیہ جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا

web-www.alhaqqania.org

E-mail-alhaqqania@yahoo.com

048–6786002/6786899

پبلشر: مفتی سید عبدالقدوس ترمذی پرنٹر: جناب محمد منیر صاحب فائٹر پرنٹنگ پریس سرگودھا

کمپوزر: جناب حافظ سید عبدالغفور صاحب ترمذی

کلمۃ الحق

مفتی سید عبدالقدوس ترمذی مدظلہم

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل

مرشد العلماء والصلحاء حضرت نواب عشرت علی خان قیصر رحمہ اللہ تعالیٰ

گزشتہ جمعہ و ہفتہ ۳۰/۳۱ دسمبر ۲۰۱۱ء کی درمیانی شب تقریباً پونے ایک بجے خم خانہ معرفت تھانہ بھون کی یادگار مجدد ملت حکیم الامت حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مسترشد خاص جامع شریعت و طریقت برکۃ العصر، و مرشد العلماء والصلحاء حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصر رحمۃ اللہ علیہ بھی اس دار فانی میں عمر کی پچانوے بہاریں گزار کر عالم جاودانی کی طرف روانہ ہوئے، اور ہزاروں متوسلین متعلقین واحباب اور پس ماندگان کو سوگوار چھوڑ گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ حضرت والا کو درجات عالیہ سے مشرف فرماویں اور پس ماندگان کو صبر واجر سے نوازیں اللّٰھُمَّ لا تحرمنا اجرہ ولا تفتنا بعدہ۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اس سرائے فانی میں جو شخص آیا ہے وہ یہاں رہنے کے لئے نہیں آیا بلکہ ایک مقرر وقت پر اس نے یہاں سے ضرور کوچ کرنا ہے۔ حق تعالیٰ نے واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے: کل من علیھا فان، کل نفس ذائقة الموت، نبی کریم ﷺ کا فرمان ذیشان حدیث پاک میں موجود ہے: ”کن فی الدنیا کانک غریب او عابر سبیل“۔ دانائے شیراز حافظ شیرازی رحمۃ اللہ علیہ بھی فرماتے ہیں ؎

در بزم عیش یک دو قدح نوش کن برو یعنی طمع مدار دوام وصال را

یہ جہاں اگر ہمیشہ رہنے کی جگہ ہوتی تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی عظیم اور بے مثال ہستی یقیناً یہاں ہمیشہ رہتی: کما قال الشاعر ؎

ولو كانت الدنيا تدوم لاهلها لكان رسول الله فيها مخلدا

غرضیکہ اس حقیقت پر بلا اختلاف سب کا اتفاق ہے کہ یہاں کا قیام عارضی ہے اور اپنے اپنے وقت پر سب نے ہی کوچ کرنا ہے اس لئے کسی کا بھی حادثۂ انتقال کوئی نئی یا انوکھی اور قابل تعجب بات نہیں ہے، لیکن کچھ شخصیات ایسی ہوتی ہیں کہ ان کے انتقال اور وصال سے دنیا میں اندھیرا چھا جاتا ہے، اور ان کی رحلت و مفارقت کا صدمہ ہر ایک کو محسوس ہوتا ہے۔ درحقیقت ایسی ہی شخصیات کی موت "موت العالَم" کی مصداق ہوتی ہے۔

حضرت اقدس نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت بھی بلا شبہ ایسی ہی تھی شریعت و طریقت اور علم و عمل کی جامعیت ظاہری و باطنی فضل و کمال کے باوجود حسنِ اخلاق و تواضع، فروتنی وعاجزی و فنائیت، رحمدلی، مسکنت آپ کے خاص اوصاف تھے۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو دنیوی وجاہت اور مال و دولت کی نعمت سے بھی خوب نوازا ہوا تھا، لیکن آپ کی ذات گرامی میں دور دور تک بھی تمول و ثروت کا اثر نظر نہیں آتا تھا۔ آپ ؏ نہد شاخ پر میوہ سر برزمیں کا پورا مصداق تھے۔

ان فضائل و ملکات کے حصول میں جہاں آپ کے فطری و طبعی احوال اور ذوق کا دخل ہے وہیں آپ کے خاندان کی وہ ہستیاں جو دنیوی وجاہت کے باوجود دین داری للہیت اور اعلیٰ اخلاق کی مالک تھیں ان کی تربیت کا بھی گہرا اثر ہے۔ اور سب سے بڑھ کر جس چیز نے آپ کو اس اعلیٰ مقام تک پہنچایا وہ حضرت اقدس مجدد ملت حکیم الامت مولانا شاہ اشرف علی تھانوی قدس سرہ سے خاص تعلق اور آپ کے متوسلین اور خلفاء عظام سے گہری وابستگی ہے، جس سے آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور اپنے مشائخ عظام اور بزرگوں کی خدمت ان کی صحبت و تربیت نے آپ کو ایسا رنگ دیا جس سے آپ کے جبلی

اوصاف و کمالات اس قدر نمایاں ہوئے کہ آپ کو خلعتِ خلافت سے نواز کر ہزاروں متوسلین کی رہنمائی وارشاد کا کام لیاگیاوذٰلک فضل اللّٰہ یؤتیه من یشاء ۔

این سعادت بزور بازو نیست تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

حضرت والا کی ولادت باسعادت رجب المرجب ۱۳۳۸ھ بمطابق ۱۹۲۰ء ضلع علی گڑھ کے قصبہ مینڈھو میں ہوئی والد صاحب کا اسم گرامی جناب محمد مسعود علی خان اور دادا کا نام نامی نواب لیاقت حسین خان رحمۃ اللہ علیہ تھا۔ والد صاحب سرکاری ملازم رہے۔ تقسیم ہند کے بعد کراچی میں قیام رہا اور یہیں سات شوال ۱۳۹۷ ھ مطابق ۱۹۷۷ء میں ان کا انتقال ہوا۔ مرحوم صوم و صلاۃ کے پابند اور نہایت دیندار تھے۔ بعض اوصاف وصفات قابلِ رشک ولائق غبطہ تھیں۔ مسجد سے خاص تعلق تکبیر اولیٰ کے ساتھ نماز کی پابندی اور ذکر اللہ کی کثرت ان کا خاصہ تھا۔ حضرت اقدس علامہ محمد یوسف بنوری نور اللہ مرقدہ نے بھی مرحوم کی زندگی کو قابل رشک قرار دیا ہے۔

حضرت والا رحمہ اللہ کی والدہ ماجدہ اپنے دینی و دنیوی کمالات اور اوصافِ حمیدہ، تلاوت و نوافل، اوراد و اشغال، معمولات کی پابندی، اتباعِ سنت، دوامِ ذکر، جود و سخا اور داد و دہش کی بنا پر رابعہ دوراں تھیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ سے بیعت ہوئیں اور ۱۵ سال تک حضرت سے ان کا اصلاحی تعلق رہا۔ قرآنِ کریم کی تلاوت اور تہجد کی پابندی اور اپنی خادمہ کے ساتھ حسنِ سلوک جیسی صفاتِ عالیہ سے متصف تھیں۔ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ کے بعد حضرت مفتی محمد حسن صاحب، حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری، حضرت مفتی اعظم پاکستان مفتی محمد شفیع صاحب رحمہم اللہ جیسی عظیم شخصیات سے اصلاحی تعلق رہا۔ پچیس محرم الحرام ۱۴۰۶ھ جمعہ کے روز کراچی میں بعمر ۹۳ سال انتقال ہوا۔ نماز جنازہ عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی صاحب عارفی رحمۃ اللہ علیہ نے پڑھائی۔

حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے دادا جناب نواب لیاقت حسین خان ابن چوہدری تفضل صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے علاقہ کے رئیس تھے۔ انہیں فقیہ النفس ابوحنیفۃ وقت حضرت اقدس مولانا رشید احمد گنگوہی قدس سرہ کی صحبت اور آپ سے بیعت کا شرف بھی حاصل تھا۔ آپ دارالعلوم دیوبند کی اولین مجلس شوریٰ کے رکن بھی تھے۔

حضرت کی دادی مرحومہ شیخ العرب والعجم حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی قدس سرہ سے بیعت تھیں اور ان کے حقیقی دادا خاندان کے مشہور بزرگ جناب نواب محمود علی خان صاحب مرحوم کو حضرت اقدس حاجی صاحب نور اللہ مرقدہ سے خاص تعلق تھا۔ حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا مکتوبِ گرامی ''الصحیفة الفاضلة فی اصلاح العاجلة والآجلة ''انہیں کے نام ہے۔ یہ ایسا عظیم گرامی نامہ ہے کہ حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے اسے دین و دینا کے مصالح کا جامع اور علومِ عجیبہ کا خزانہ قرار دے کر اپنی کتاب تربیت السالک میں بڑے اہتمام سے شائع فرمایا۔

حضرت والا کے پھوپھا جناب نواب جمشید علی خان صاحب مرحوم قرآن کریم کے حافظ اور حضرت حکیم الامت تھانوی سے گہرا تعلق رکھتے تھے۔ حضرت حکیم الامت سے انہیں خاص عقیدت و محبت تھی جسے لفظوں میں بیان کرنا مشکل ہے۔ ۱۳۳۴ھ مطابق ۱۹۱۶ء میں باغپت وغیرہ میں حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے تین وعظ جلاء القلوب (جام جمشید)، رجاء الغیوب (صبح امید)، دواء العیوب (شام خورشید) انہیں کی فرمائش پر ہوئے تھے۔ ۱۳۵۸ھ مطابق ۱۹۳۸ء میں جب حضرت نواب جمشید علی خان تھانہ بھون حاضر ہوئے اس موقع پر حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے جو خاص ملفوظات ارشاد فرمائے ان کا مجموعہ ''بزم جمشید و خم خانہ باطن'' کے نام سے اب بھی شائع ہورہا ہے۔

اس خاندانی پس منظر سے واضح ہے کہ حضرت والا کی ولادت با سعادت اور

پرورش وتربیت جس ماحول میں ہوئی وہ خاندانی ثروت و تمول کے باوجود نہایت کریم النفس اوراخلاق حسنہ سے متصف پرنور ماحول تھا۔ چنانچہ حضرت والا کی ولادت پر پہلی آواز جوآپ کے کانوں میں پڑی وہ اذان واقامت کی آواز تھی جوآپ کے جدامجد نے ہی دی۔ اور ساتھ ہی یہ دعا بھی کی اے اللہ اسے کامل مومن اور صالح مسلمان بنا دے۔آپ کے حق میں دادامرحوم کی یہ دعاع ے دہد یزداں مراد متقیں کا مصداق ثابت ہوئی۔فللّٰہ الحمد ولہ الشکر۔

حضرت والا کی ابتدائی تعلیم آپ کے دادامرحوم کے قائم کردہ مدرسہ یوسفیہ مینڈھو میں ہوئی۔اس مدرسہ میں درس وتدریس کے لئے حضرات علماء کرام کا تقرر دیوبند اور تھانہ بھون سے کیاجاتا تھا۔حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا حبیب احمد کیرانوی رحمۃ اللہ علیہ کواس مدرسہ کا شیخ الحدیث مقرر کیا تھا۔آپ کے دادامرحوم آپ کواعلیٰ تعلیم کے لئے دارالعلوم دیوبند بھیجنا چاہتے تھے۔لیکن والدہ صاحبہ نے اجازت نہ دی۔ اس لئے گھرپر ہی تعلیم کا انتظام کیاگیا۔حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے حضرت علامہ ظفراحمد عثمانی رحمۃ اللہ علیہ کے بیٹے مولانا عمراحمد عثمانی کواس کے لئے متعین فرمایا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی درخواست پرحضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ نے آپ کو تفسیر میں جلالین شریف، فقہ میں ہدایہ اول اور حدیث شریف میں مؤطاامام مالک کی بسم اللہ کرائی اور یوں آپ کوحضرت اقدس تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے تلمذ کا شرف حاصل ہوا جو یقیناً بہت بڑی سعادت ہے۔

آپ بچپن سے ہی والدہ مرحومہ کے ساتھ تھانہ بھون حاضرہوتے رہے۔حضرت حکیم الامت نے آپ کو کھانے میں شریک فرمایا اور اٹھارہ سال کی عمرمیں خانقاہ تھانہ بھون کی مسجدمیں بیعت کے شرف سے بھی نوازا حضرت نے آپ کواس وقت باجماعت

نماز کی پابندی اور اپنے مواعظ و ملفوظات پڑھنے کی نصیحت فرمائی تھی جس پر ساری زندگی آپ کا عمل رہا، آپ نے جب مولوی عالم اور مولوی فاضل کی سند حاصل کی تو حضرت اقدس حکیم الامت نے فراغت پر آپ کے سر پر پگڑی باندھی تھی جو آپ کے پاس محفوظ تھی۔

دینی تعلیم مکمل ہونے پر ''علی گڑھ یونیورسٹی'' سے ایم اے اور قانون کی ڈگری بھی آپ نے حاصل کی کیونکہ اس وقت حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ وصال فرما چکے تھے اس لئے آپ نے اپنا اصلاحی تعلق حضرت حکیم الامت تھانوی کے اجل خلفاء سے قائم کیا ۱۹۴۸ء میں جب کراچی میں آپ نے سکونت اختیار کی تو اس وقت حضرت مفتی اعظم پاکستان مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی، حضرت شاہ عبد الغنی پھولپوری، عارف باللہ حضرت ڈاکٹر عبد الحی عارفی، حضرت بابا نجم احسن صاحب، حضرت علامہ مولانا ظفر احمد عثمانی، حضرت حافظ عبد الولی صاحب، حضرت علامہ سید سلیمان ندوی، حضرت علامہ مولانا محمد یوسف بنوری، حضرت مولانا شبیر علی تھانوی، حضرت ظفر احمد انجینئر، حضرت ڈپٹی علی سجاد صاحب، وغیرہم رحمہم اللہ تعالیٰ سب بقید حیات تھے، ان سب حضرات سے آپ کا خاص تعلق رہا۔ سب ہی کی مجالس میں شرکت اور ان سے دعائیں حاصل ہوئیں۔ تقریباً چالیس سال کا عرصہ ان حضرات سے تعلق اور خدمت میں گزرا جو ایک عظیم نعمت ہے۔ ان اکابر کی صحبت اور برکات نے آپ کو جس مقام بلند پر پہنچایا اس کا تصور بھی ہم جیسوں کے لئے ناممکن ہے۔ ولٰکن اللہ تعالٰی یختص برحمتہ من یشاء۔

آپ نے اپنا باقاعدہ اصلاحی تعلق حضرت اقدس مولانا فقیر محمد صاحب پشاوری قدس سرہ سے قائم کیا۔ حضرت پشاوری رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کے باطنی حالات و کمالات کی بنا پر آپ کو خلعتِ خلافت سے نوازتے ہوئے تحریر فرمایا:

''آپ کے خط سے اور حالات سے عجز و انکساری معلوم ہوتی ہے۔ میرے قلب

پر بے ساختہ وارد ہوتا ہے کہ آپ کو بیعت اور تلقین کی اجازت دے دوں ، توکلا علی اللہ دیتا ہوں الخ''۔ دعاگو و دعاجو مولوی فقیر محمد سرحدی ۲۹ جون ۷۸ء۔

پھر جب آپ نے مسیح الامت حضرت مولانا مسیح اللہ خان جلال آبادی صاحب سے تعلق قائم کیا اور باقاعدہ اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ ایک عرصہ تک جاری رہا تو بالآخر آپ نے بھی اجازت بیعت و تلقین اور خلافت سے سرفراز فرمایا۔ مؤرخہ ۱۴ ذی القعدہ ۱۴۱۰ھ کے گرامی نامہ میں حضرت مسیح الامت قدس سرہ نے آپ کو تحریر فرمایا:

''یہ احساس عظمت نسبت مقتضی ہے کہ مسئلہ سلوک کا ہے کہ اشاعت سلسلہ میں حریص ہونا چاہئے ۔ لہٰذا کیوں نہ آپ کو بیعت کے سلسلہ میں حریص ہونے کی اجازت دی جاوے ۔اجازت بھلا قیصر اور سلسلے کی رونق سے خالی '' اجازت بیعت'' سرخرو بفضلہ تعالیٰ ''۔ احقر محمد مسیح اللہ۔

حضرت اقدس مولانا فقیر محمد پشاوری رحمۃ اللہ علیہ اور سیدی حضرت اقدس مولانا مسیح اللہ خان صاحب شیروانی نور اللہ مرقدہ دونوں حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے اجل خلفاء میں ہیں۔ اور دونوں حضرات کا مقام حضرت حکیم الامت تھانوی اور آپ کے خلفاء عظام کے نزدیک ایک خاص اہمیت اور خصوصیت کا حامل ہے ۔ سلسلہ عالیہ اشرفیہ کے ممتاز حضرات اس سے بخوبی واقف ہیں ۔ پھر ان دونوں اکابر میں جو خصوصیات تھیں ، ہمارے حضرت نواب صاحب رحمۃ اللہ علیہ میں ان کا عکس جمیل اور پرتو بطور خاص ظہور پذیر ہوا۔ اس طرح اپنے ان دونوں شیوخ کے فیوض و برکات اور انوارات کو آپ نے پورے طور پر نہ صرف یہ کہ اپنے اندر جذب فرمایا بلکہ سلسلہ عالیہ اشرفیہ اور اپنے اکابر کے فیوضات عالیہ اور ان کی تعلیمات کی خوب درخوب اشاعت فرمائی ۔آپ خود بھی اپنے اکابر کے علوم و معارف فیوض و برکات کا عملی نمونہ تھے۔

تقسیم ہند کے بعد اگرچہ ایک عرصہ تک آپ کا قیام کراچی میں رہا لیکن اس کے بعد آپ چند ماہ اسلام آباد میں بھی قیام فرمانے لگے۔ اور دونوں جگہ پر اصلاحی مجالس کا سلسلہ قائم رہا۔ آپ ان اصلاحی مجالس میں حضرت اقدس مجدد ملت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے مواعظ و ملفوظات پڑھ کر ان کی دلنشین اور متین تشریح فرماتے جس سے سامعین کو بے حد نفع ہوتا۔ آپ کی نصائح اور مفید تشریح ع از دل خیزد بر دل ریزد کا مصداق ہوتیں۔ آنے والے حضرات آپ کی زیارت اور بیان سے خوب فائدہ اٹھاتے۔ آپ بیان کے دوران بعض اوقات خاص انداز میں اردو و فارسی اشعار بھی پڑھ کر سناتے۔ جس سے سامعین پر ایک خاص اثر ہوتا۔ اصلاح نفس اور حق تعالیٰ کی محبت و خشیت پر آپ کا وعظ بے حد موثر ہوتا تھا۔ متعلقین واحباب کو ہفتہ بھر اس مجلس کا انتظار رہتا اور مقررہ وقت پر احباب بڑے اہتمام اور ذوق وشوق سے پہنچتے تھے۔

حضرت والا رحمۃ اللہ علیہ کے معمولات میں دعا کا ذوق وشوق اور اہتمام نیز مسجد میں تکبیر اولیٰ کے ساتھ باجماعت نماز خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ جہاں تک سادگی طبع، شہرت نام و نمود سے گریز کا تعلق ہے تو یہ حضرت والا کی طبیعت ثانیہ تھی۔ اسی طرح تحمل و بردباری جود و سخا حلم بھی آپ کی طبیعت مبارکہ کا حصہ تھی۔ آپ خلق و حیا کا پیکر اور اخلاقِ حسنہ کے جامع تھے۔ حفاظت نظر کے ساتھ غیبت سے اجتناب کا خصوصی اہتمام فرماتے تھے۔ بزرگانِ دین کا احترام اور ان کی عظمت سے آپ کا قلب لبریز تھا۔ لیکن اس میں غلو سے احتراز فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ کو رسمی تصوف و طریقت سے بھی نفرت تھی اس لئے آپ حقیقت تصوف و سلوک و احسان اور تزکیہ نفس پر زور دیتے تھے اور حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے طریق پر ظاہری بیعت کو ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ اس میں احتیاط و اعتدال آپ کا خاص وصف تھا۔ آپ بیعت میں تعجیل کے قائل نہ

تھے۔ اسے محض سنت یا مستحب درجہ میں سمجھتے تھے البتہ اصلاح کو ضروری قرار دیتے تھے۔ اس سلسلہ میں آپ کا عمل اسی طریقہ پر تھا جو حضرت حکیم الامت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے اس ارشاد گرامی سے واضح ہے ''میرے یہاں تعلیم تو فوراً شروع ہو جاتی ہے لیکن بیعت پورے اطمینان کے بعد کرتا ہوں اور اصل چیز تعلیم ہی ہے۔ بیعت کوئی ضروری چیز نہیں، نفع ہونے کے لئے محض تعلق محبت کا کافی ہے، پھر بعد اطمینان کے بیعت میں بھی مضائقہ نہیں''۔ (ملفوظات اشرفیہ)

سالکین کی اصلاح کے لئے آپ کا وہی طریقہ تھا جو حضرت حکیم الامت تھانوی اور آپ کے خلفاء کرام کے ہاں مروج ہے۔ اصلاحی مکاتبت کا سلسلہ بھی آپ کے ہاں برابر جاری رہتا تھا۔ لیکن جب عمر مبارک کا ستاسیواں سال شروع ہوا ضعف بھی زیادہ ہونے لگا، اور مجالست، گفتگو، اجتماعات اور مکاتبت میں دقت محسوس ہونے لگی تو آپ نے مکاتبت اور اصلاحی تعلق کے قیام سے عذر فرما دیا۔ اصلاحی تعلق قائم کرنے کے لئے ایک تحریر گرامی میں سلسلہ عالیہ اشرفیہ کے چند بزرگوں کے نام تحریر فرمائی کہ ان میں سے یا ان کے علاوہ جن سے جس کو مناسبت ہو ان سے تعلق قائم کر لیا جائے۔ اس تحریر کے آخر میں آپ فرماتے ہیں:

''بندہ تمام احباب کے لئے دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت کے اعتبار سے کامیاب فرمائیں اور تمام مقاصدِ حسنہ میں بحسن و خوبی صلاح و فلاح کے ساتھ حسنِ خاتمہ نصیب فرمائیں اپنے تمام احباب و رفقاء سے درخواست ہے کہ وہ پورے دین اور شریعت پر ظاہر اور باطن کے ساتھ مضبوطی سے عمل پیرا رہیں۔ اور حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی تصانیف اور ملفوظات و مواعظ کے مطالعہ کو اپنا معمول بنائیں۔ اور تمام اخلاق رذیلہ خصوصاً تکبر غصہ غیبت بدنظری بدگمانی سے

بچنے کا پورا اہتمام فرمائیں اپنی اور اپنے اہل و عیال کی اصلاح نفس سے غافل نہ رہیں''۔

اصلاح میں اپنی کر نہ سستی ہمت پہ ہے منحصر درستی
فرما گئے ہیں حکیم الامت سستی کا علاج بس ہے چستی

والسلام
دعا گو بندہ عشرت علی قیصر عفی عنہ

حضرت والا رحمہ اللہ اپنے اکابر اور شیوخ کرام کے طریقہ کے مطابق ہر معاملہ میں اتباع سنت کا پورا پورا لحاظ فرماتے تھے چنانچہ جب مروجہ مجالس ذکر کے بارہ میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کی طرف منسوب کیا گیا کہ آپ مروجہ مجالس ذکر کو صحیح قرار دیتے ہیں تو آپ نے اس کی تردید فرماتے ہوئے تحریر فرمایا:

''جو حضرات حضرت مولانا فقیر محمد صاحب کی طرف مروجہ مجالس ذکر کی نسبت کرتے ہیں یہ صحیح نہیں ...... بہرحال بندہ اجتماعی مجلس ذکر سے براءت کرتا ہے۔ حضرت حکیم الامت مجدد ملت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے خلفاء سے بھی اجتماعی مجالس ذکر ثابت نہیں ہیں۔ میرا مؤقف بھی یہی ہے۔ جو حضرات اجتماعی مجلس ذکر کے جواز کی بندہ کی طرف نسبت کرتے ہیں، وہ غلط فہمی کی وجہ سے ایسا کرتے ہیں۔ انتہیٰ''۔

حضرت والا رحمہ اللہ خالص دینی تبلیغی اور اصلاحی مزاج و ذہن کے حضرات میں سے تھے۔ آپ کو ہر وقت امت کی اصلاح کی فکر اور دھن رہتی تھی۔ مصلح امت ہونے کے ناطے امت کی اصلاح آپ کا حال تھا ایک مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ دین کے تمام شعبوں کو ضروری سمجھے اور حتی الوسع اپنی زندگی پورے دین پر عمل کرنے میں گزارے۔ اس کے لئے یقیناً اسے اپنے بڑوں سے رہنمائی کی ضرورت ہوگی۔ حضرت والا رحمہ اللہ اگرچہ عملی طور پر سیاست سے وابستہ نہ تھے لیکن ملک و ملت کے مسائل اور حالات سے

آپ باخبر رہتے تھے۔ اس لئے اس شعبہ میں بھی آپ بقدر ضرورت سائلین اور سالکین کی رہنمائی فرماتے تھے۔ اور ارباب مملکت کے اچھے کاموں کو سراہنے کے ساتھ ان کے غلط اقدامات کی مذمت بھی فرماتے تھے۔ آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی اور ان کے متوسلین و احباب کی اتباع میں تحریک پاکستان کی حمایت کی اس لئے آپ کی ہمیشہ یہی کوشش رہی کہ اس ملک کی ہر طرح سے حفاظت کی جائے اور یہ مملکت جس مقصد کے لئے حاصل کی گئی ہے اس منزل کو جلد سے جلد پایا جائے۔ تقسیم ہند کے وقت حضرات علماء کرام کے مابین بھی دیانۃً رائے کا اختلاف ہوا۔ ایک طبقہ پاکستان کے حق میں تھا جبکہ دوسرے طبقہ کے خیال میں پاکستان کا بنانا درست نہ تھا۔ حضرت اقدس حکیم الامت تھانوی اور آپ کے متوسلین نے پاکستان کے قیام کی حمایت کی حضرت والا کا تعلق بھی اسی طبقہ سے تھا۔ دوسرے طبقہ کے علمائے کرام اور اکابرین کے نظریہ سے اگرچہ آپ کو اتفاق نہ تھا لیکن آپ نے کبھی بھی ان کے احترام و عظمت میں فرق نہیں آنے دیا۔ اسی کی ہدایت آپ ہمیشہ اپنے متعلقین کو بھی فرماتے تھے۔ یہ اعتدال کا وہی راستہ ہے جس کو اپنانے کی ہر ایک کو ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اس کی توفیق عطا فرمائے۔

حضرت والا کی طبیعت میں اتباع سنت اور ہر معاملہ میں اعتدال اس قدر راسخ تھا کہ وہ آپ کی طبیعت کا جزو لازم بن چکا تھا۔ یہ آپ کے حسن اعتدال کا ہی نتیجہ تھا کہ آپ نے ملک میں پائی جانے والی مختلف جماعتوں اور تنظیموں میں سے کسی ایک کے ساتھ اپنے آپ کو ضابطہ میں وابستہ نہیں کیا۔ بلکہ اہل حق کی تمام جماعتوں کے اچھے کام کی آپ تحسین فرماتے اور ان کا ہر ممکن تعاون بھی۔ لیکن جب آپ دیکھتے کہ کسی بھی جماعت کا فلاں کام اکابر کے اصول سے متصادم ہے یا خدا نخواستہ شریعت کے خلاف ہے تو آپ اس پر فوراً تنبیہ فرما دیتے۔ ضابطہ و قاعدہ اور رسمی تعلق کے بعد عام طور پر چونکہ یہ مشکل ہو

جاتا ہے اس لئے آپ نے حضرت حکیم الامت تھانوی قدس سرہ کے اسی طریقہ کو اختیار فرمایا۔ حتی کہ تبلیغی جماعت جس کے بانی امام الدعوت والتبلیغ حضرت شیخ مولانا محمد الیاس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ اپنے اکابر میں سے ہیں اور حضرت والا رحمہ اللہ نے اس جماعت کے کام کا اس زمانہ میں براہ راست مشاہدہ بھی فرمایا ہے اور اسے عوام کے لئے بے حد مفید و نافع بھی سمجھتے تھے ، لیکن اس کے باوجود جب آپ نے اس میں پائے جانے والے غلو کے متعلق سنا تو اس کی فوراً اصلاح فرمائی ۔اسی طرح دینی مدارس جو بلاشبہ اسلام کے قلعے ہیں اور حضرت والا نے بھی باقاعدہ طور پر دینی تعلیم انہی مدارس اور ان کے وابستہ افراد سے حاصل کی ہے اور ہر طرح سے آپ نے ان کے وجود کو امت کے لئے ناگزیر سمجھا ہے ، لیکن ان مدارس میں پائے جانے والے اصلاحی معاملات اور امور سے بھی آپ نے کبھی صرف نظر نہیں فرمایا۔ بلکہ ''مھما امکن ''ان کی اصلاح کی تدبیر اور کوشش فرماتے رہے ۔دراصل یہ اسی عظیم شخص کا کام ہے جو شریعت و طریقت کا جامع اور باخدا عارف باللہ اور کامل ہو۔ حضرت والا میں بحمداللہ یہ تمام صفات موجود تھیں ۔کیونکہ آپ نے دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ شریعت کی جامعیت اور اس میں کمال بھی حاصل کیا اور وقت کے اکابر اور طریقت و شریعت کے ماہرین نے آپ کو سند خلافت عطا فرمائی ۔

آپ صوفیائے کرام رحمہم اللہ کے چار مشہور سلاسل چشتیہ ، قادریہ ، نظامیہ ، سہروردیہ میں بیعت فرماتے تھے ۔اپنے بہت سے متعلقین متوسلین اور احباب میں سے بعض کو آپ نے خلافت سے سرفراز فرمایا اور بعض کو مجاز صحبت قرار دیا ہے ۔حضرت والا نے احباب اور سالکین کے لئے جو دستور العمل اور معمولات رقم فرمائے ہیں وہ نہایت مفید اور نافع بلکہ حرز جان بنانے کے قابل ہیں۔ اس لئے افادہ عام کے لئے حضرت ہی کے الفاظ میں ان کو نقل کیا جاتا ہے:

دستور العمل و معمولات برائے سالکین

(۱) اپنے شب و روز کی ضروری مصروفیات کو پیش نظر رکھ کر ایک مضبوط نظام الاوقات بنا لینا چاہئے ، اور پھر اس کے مطابق مستقل مزاجی کے ساتھ عمل کرنا چاہئے ، اس کی وجہ سے کام کرنے میں بہت برکت ہوتی ہے، تھوڑے وقت میں زیادہ کام ہوجاتا ہے اور اس کی برکت سے مشکل کام بھی آسان ہوجاتا ہے۔

نظم پیدا کیجئے اوقات میں　　　برکتیں پھر دیکھئے دن رات میں

(۲) شرعی احکام خواہ ان کا تعلق کرنے سے ہو یا چھوڑنے سے ان کا علم حاصل کرنا چاہئے ، اور پھر ان پر عمل بجالانا چاہئے ۔ سب سے پہلے اپنے عقیدے ٹھیک کئے جائیں اور ضروری ضروری مسئلے سیکھے جائیں، اور کسی نئے مسئلے کی ضرورت پیش آئے تو کسی مستند عالم دین سے ان کا شرعی حکم معلوم کرلیا جائے ۔ یہ بات سمجھ لینے کی ہے کہ اصل مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا کو طلب کرنا ہے جس کے لئے تقویٰ حاصل ہونا شرط ہے ، اسی کے لئے سب جدوجہد کی جاتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل ہونے کے لئے گناہوں سے بچنے کا اہتمام ، جو حقوق (والدین ، بیوی، بچوں ، رشتہ دار و اقارب ، محلے داروں اور اجنبیوں جس جس کے بھی) اپنے ذمہ واجب ہیں ان کی ادائیگی ، معاملات میں دیانت وصداقت ، معاشرت میں سادگی اور پاکیزگی اور مزاج میں نرمی و خوش اخلاقی ضروری ہے، بدعات و رسوم سے سختی کے ساتھ بچے ، شادی و غمی کے موقع پر ہر قسم کی رسومات سے اپنے آپ کو بچائیں۔ ان چیزوں کے اہتمام کے بغیر سلوک و تصوف اور اصلاح نفس کا مقصد ہی حاصل نہیں ہوتا بلکہ حقیقی مقصد سے محرومی ہی رہتی ہے ۔ اس لئے اذکار و وظائف اور اوراد ہی کو سب کچھ سمجھ کر فارغ نہ ہونا چاہئے بلکہ اپنی زندگی کا مسلسل جائزہ لیتے رہنا چاہئے ، اصلاح نفس کی فکر مرتے دم تک نہ چھوڑنی چاہئے ۔ (۳) آنکھ، کان، زبان کی سختی کے ساتھ

احتیاط رکھئے ،یہی تین اعضا ساری عبادات اور گناہوں کے آلۂ کار اور تمام باطنی اچھے وبرے اعمال و اخلاق کے محرک ہیں ،اس لئے ان تینوں اعضا کی نگہداشت یعنی ان کے جائز و ناجائز استعمال کا خیال نہایت اہم اور ضروری ہے ، جب بھی ان اعضا سے کوئی غلطی ہوجائے فوراً توبہ کرنی چاہیئے۔

چشم بند و گوش بند و لب بہ بند گر نہ بینی نورِ حق بر من بخند

یعنی گناہوں اور برائیوں سے اپنی آنکھ، کان، زبان تینوں چیزوں کو بند کر لیجئے اس کے بعد اگر آپ کو نورِ حق نظر نہ آئے تو مجھ پر ہنسئے۔

(۴) اگر نماز، روزہ، زکاۃ وغیرہ ذمہ میں باقی ہو تو اس کی ادائیگی کا اہتمام کیا جائے ، اسی طرح کسی کا مالی حق اپنے ذمہ ہو تو اسے ادا کیا جائے یا معاف کرایا جائے ۔ (۵) اپنے آپ کو دوسروں سے کم تر سمجھیں ، دوسروں کو اپنے مقابلہ میں حقیر نہ سمجھیں ۔ (٦) باطنی اعمال میں جو اچھے اخلاق ہیں ان کو اپنے اندر پیدا کرنے کی کوشش کیجئے اور جو برے اخلاق ہیں ان سے اپنے آپ کو بچا کر رکھئے ۔ (۷) اللہ والوں نے چار اعمال ایسے بتلائے ہیں کہ جن پر عمل کرنے سے بہت سے برے اخلاق سے نجات مل جاتی ہے اور بہت سے اچھے اخلاق کی توفیق حاصل ہوتی ہے ،وہ چار اعمال یہ ہیں: (۱) شکر (۲) صبر (۳) استغفار (۴) استعاذہ۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ کی عطا کی ہوئی نعمتوں پر شکر کیا کیجئے اور کوئی ناگوار واقعہ پیش آجائے تو اس پر صبر کیا کیجئے اور چلتے پھرتے استغفار کرتے رہا کیجئے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ مانگتے رہا کیجئے ۔ (۸) ہر ہر کام میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت کی اتباع کرنی چاہیئے کیونکہ سنت پر عمل کرنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل ہوتا ہے، لہٰذا تمام عبادات وطاعات اور معاملات و معاشرت ، رہن سہن ، اٹھنے بیٹھنے ، سونے جاگنے ، چلنے پھرنے ، کھانے پینے ، لباس و پوشاک ، وضع قطع ہر چیز میں مؤکدہ وغیر مؤکدہ سنتوں کا لحاظ کرنا چاہیئے ،

خصوصاً ان سنتوں کا جن کا تعلق عبادات سے ہو عادات سے نہ ہو، اور سنن عادیہ کا بھی ہو سکے تو حدود میں رہتے ہوئے۔ اور کھانے پینے کا، سونے جاگنے، بیت الخلا آنے جانے، گھر یا مسجد سے نکلنے اور داخل ہونے اور اسی طرح دوسرے کاموں کے متعلق جو مسنون دعائیں ہیں ان کو زبانی یاد کرلینا چاہیئے اور ان کو اپنے اپنے موقع پر پڑھنے کی عادت ڈال لینی چاہیئے۔ (۹) حتی الامکان مرد حضرات کو نماز باجماعت کا اور خواتین کو بروقت نماز کی ادائیگی کا اہتمام کرنا چاہیئے، شرعی عذر کے بغیر مرد حضرات کو مسجد کی جماعت کو نہیں چھوڑنا چاہیئے، اور مسجد کے آداب کا خیال رکھنا چاہیئے۔ (۱۰) جن نمازوں سے پہلے یا بعد میں سنتیں ہیں ان کو بھی ادا کرنا چاہیئے، مؤکدہ سنتوں کی ادائیگی تو اپنی جگہ ہے، غیر مؤکدہ سنتوں کو بھی ہو سکے تو ادا کرنا چاہیئے، مثلاً عصر سے پہلے چار سنتیں، عشاء سے پہلے چار سنتیں۔ اس کے علاوہ اشراق، چاشت، اور بعد مغرب اوابین کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔ نیز تہجد کی نفل نماز کم از کم چار رکعت اور عام حالات میں بارہ رکعات کا معمول بنانا چاہیئے، اور ہو سکے تو تہجد رات کے آخری حصہ میں صبح صادق سے پہلے پہلے ادا کرنا چاہیئے ورنہ عشاء کے بعد ہی وتر سے پہلے کچھ رکعتیں تہجد کی نیت سے پڑھ لیا کریں اور ارادہ و حوصلہ یہی رکھا کریں کہ رات کے آخر حصہ میں بھی پڑھنے کی کوشش کرونگا۔ رمضان المبارک میں تراویح کی نماز کا بھی اہتمام کرنا چاہیئے۔ (۱۱) روزانہ فجر کی نماز کے بعد یا جب بھی سہولت ہو ایک وقت مقرر کر کے قرآن مجید کی تلاوت کا معمول بنانا چاہیے روزانہ ایک پارہ، اگر یہ مشکل ہو تو آدھا پارہ اور اگر یہ بھی مشکل ہو تو ایک پاؤ پارہ، ممکنہ حد تک تجوید سے اور دوسرے آداب کی رعایت کرتے ہوئے تلاوت کرنا چاہیئے، اگر کسی روز اتفاق سے یا کسی عذر کی وجہ سے تلاوت نہ ہو سکے تو دوسرے دن اس کی تلافی کی کوشش کرنی چاہیئے۔ (۱۲) تلاوت کے علاوہ روزانہ حضرت حکیم الامت تھانوی رحمہ اللہ تعالیٰ کی ''مناجات مقبول'' سے ہر دن کے مطابق

عربی میں ایک منزل ورنہ آدھی منزل پڑھنی چاہیئے دعاؤں کے ساتھ ترجمہ پر بھی ساتھ ساتھ نظر رکھی جائے تو بہت اچھا ہے، اور روزانہ نا سہی تو کبھی کبھی اردو میں منظوم مناجات مقبول کی منزل بھی پڑھ لینی چاہیئے۔اوراگر ہو سکے تو مناجات مقبول میں ہی درج شدہ "حزب البحر" پڑھنے کا بھی روزانہ معمول بنانا چاہیئے۔ (۱۳) فجر کے بعد سورہ یٰس، ظہر کے بعد سورۃ فتح، عصر کے بعد سورۃ نبأ مغرب کے بعد سورۃ واقعہ، اور عشا کے بعد سورۃ ملک کی تلاوت کا اہتمام کرنا چاہیئے۔ (۱۴) روزانہ ایک تسبیح "سبحان اللہ وبحمدہ سبحان اللہ العظیم" (۱۵) روزانہ ایک تسبیح استغفار کی "استغفر اللہ ربی من کل ذنب واتوب الیہ"۔ (۱۶) روزانہ ایک تسبیح "سبحان اللہ والحمدللہ ولاالٰہ الااللہ واللہ اکبرولاحول ولاقوۃ الاباللہ"۔ (۱۷) روزانہ ایک تسبیح درود شریف کی، درود ابراہیمی یا پھر یہ درود "اللّٰھُمَّ صل علیٰ سیدناومولانامحمدن النبی الامی وعلیٰ آلہ واصحابہ وسلم "۔ (۱۸) روزانہ دوسو مرتبہ لاالٰہ الااللہ، چارسو مرتبہ الااللہ، چھ سو مرتبہ اللہ اللہ، سو مرتبہ اللہ۔ نمبر۱۶ میں درج یہ کل ۱۳ تسبیحات ہیں، لیکن دوازدہ تسبیحات یعنی ۱۲ تسبیحات کے نام سے مشہور ہیں، ان کا اصل وقت تو تہجد کی نماز کے بعد اور فجر کی نماز سے پہلے ہے، اگر کسی کو اس وقت مشکل ہو تو فجر کے بعد ورنہ عشاء کے بعد۔

تنبیہ: بعض محقق بزرگان دین نے کثرت نوافل اور تلاوت قرآن کو زیادہ اہمیت دی ہے، جس میں کثرت ذکر بھی آجاتا ہے، اس لئے کثرت نوافل اور تلاوت قرآن کو دیگر اذکار پر فوقیت حاصل ہے، نیز اذکار واوراد کے معمولات میں فرصت و ہمت اور صحت کے لحاظ سے نیز اپنے مرشد کی ہدایت کی روشنی میں کمی بیشی کی جاسکتی ہے، اگر کسی کی اتنا ذکر کرنے سے صحت متاثر ہوتی ہو یا دماغ پر بوجھ پڑتا ہو تو کمی کرنی چاہیئے۔ بعض اوقات

ایک جگہ بیٹھ کر ذکر کرنے دماغ پر زیادہ زور اور دباؤ پڑتا ہے ،اگر ایسی صورت حال ہو تو بعض اذکار چلتے پھرتے پورے کر لئے جائیں۔ معمولات نافلہ کے بارہ میں ایک بات یہ ہے کہ ان کا معمول شروع کرنے کے بعد ناغہ سے بے برکتی ہوتی ہے، اس کا حل بعض بزرگوں نے یہ بیان فرمایا ہے کہ اگر کبھی کسی وجہ سے معمول پورا نہ ہو سکے تو تھوڑا بہت ہی کرلیا جائے اور بروقت نہ ہو سکے تو کسی دوسرے وقت اختصاراً ہی سہی اس کی تلافی کرلی جائے، اس کی وجہ سے بے برکتی سے حفاظت رہتی ہے لیکن یہ بات ذہن نشین کرلینا ضروری ہے کہ تمام اوراد واذکار سے مقصود اللہ تعالیٰ کی رضا ہونی چاہئے، جس قدر نیت صحیح اور قوی ہوگی اسی کے مطابق برکات وثمرات حاصل ہونگے۔ دینی مدارس کے طلباء زیادہ اذکار واوراد کرنے کے بجائے اپنے اسباق اور مطالعہ میں مشغولیت رکھیں اور تقویٰ وطہارت کا اہتمام رکھیں۔

(۱۹) وقت ضائع کرنے سے بچنے کا بہت زیادہ خیال رکھیں، فضول گفتگو سے پرہیز کریں۔

(۲۰) دینی کتابوں کو زیر مطالعہ رکھیں، خواہ تھوڑا بہت کیوں نہ ہو، روزانہ مطالعہ کا معمول بنانا چاہئے۔ چند اہم اور مفید کتابیں یہ ہیں۔ بہشتی زیور، اصلاحی نصاب، حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے مواعظ وملفوظات، شریعت وتصوف، فضائل اعمال۔

ہدایات برائے احباب

(۱) اپنے تمام متوسلین سے درخواست ہے کہ وہ مضبوطی کے ساتھ شریعت پر قائم رہیں، اپنے ظاہر اور باطن کو شریعت وطریقت کے مطابق رکھیں، اور تمام سنن مبارکہ پر حتی الامکان عمل کریں۔ (۲) حکیم الامت حضرت مولانا شاہ محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کے ذوق ومسلک کو پوری طرح اپنائیں، کیونکہ وہ عین دین وسنت ہے۔ (۳) تمام احباب حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تعلیمات وہدایات، موعظ وملفوظات سے استفادہ

کرتے رہیں، اس سے ان شاء اللہ تعالیٰ دین کی صحیح سمجھ اور تقویت پیدا ہوگی۔ (۴) خواص کو چاہئے کہ طریق کی صحیح مناسبت کے لئے حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی اشرف السوانح حصہ دوم ، مآثر حکیم الامت اور تربیت السالک کا عمل اور اپنی اصلاح کی نیت سے مطالعہ کرتے رہیں۔ (۵) اپنے آپ کو خادم سمجھیں مخدوم نہ سمجھیں، اور اپنے نفس کی اصلاح ونگہداشت سے کبھی غافل نہ رہیں اور حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے طریق کے بدنام کنندہ نہ بنیں۔ (۶) پوری زندگی نفس وشیطان کے ساتھ مقابلہ ومجاہدہ کو زندگی کا حصہ تصور کریں۔ (۷) تمام احباب سے درخواست ہے کہ وہ بدعات، منکرات وفواحش سے سختی کے ساتھ بچیں۔ (۸) اپنے گھر والوں اور اہل وعیال کو دینی احکام کی تعلیم وتبلیغ کرتے رہیں اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد قوا انفسکم واھلیکم نارا کو ہمہ وقت پیش نظر رکھیں۔ (۹) جن امور میں علماء زمانہ کا اختلاف دیکھیں ان میں سے ان کی اتباع کریں جو اپنے اسلاف کے متبع اور ان کے نقش قدم پر چلنے والے ہوں یا پھر ان کے مؤقف میں احتیاط کا پہلو ملحوظ ہو (۱۰) سیاسیات، دیگر مزاج ومزاق اور مشرب میں حضرت حکیم الامت مجدد الملت مولانا محمد اشرف علی صاحب تھانوی رحمہ اللہ کی تعلیمات وہدایات پر عمل کریں۔ (۱۱) مروجہ سیاسی وغیر سیاسی پارٹیوں سے رسمی تعلق اور عہدہ کے ساتھ کوئی کام انجام نہ دیں کہ یہ دوران رسمی چیزوں سے بچ کر یکسوئی اور اخلاص کے ساتھ کام کرنے کا ہے۔ رسمی تعلق سے ہٹ کر اگر انتخابات میں کسی کی تائید ضروری اور عدم تائید کی صورت میں بے دین عناصر کے غلبہ کا خطرہ ہو تو پھر اپنے مسلک ومشرب کے پابند علماء کرام کے مشورہ سے تائید وحمایت کی ، اس خدمت کو حدود کے دائرہ میں رہتے ہوئے سرانجام دے اور خود کوئی رائے قائم نہ کرے۔ (۱۲) بعض احباب میری نسبت سے وقتاً فوقتاً کچھ نقاط اور مضامین لکھتے رہتے ہیں اول تو لکھنے اور نقل کرنے میں غلطی کا احتمال ہے دوسرے مراد

سمجھنے میں بھی خطا کا اندیشہ ہے، تیسرے خود میری زبان سے بھی کوئی خطا سرزد ہونے کا خدشہ ہے، اس لئے جب تک میری نسبت سے ان باتوں کی اپنے اکابرین اور خصوصاً حضرت تھانوی رحمہ اللہ کی تعلیمات سے مطابقت وموافقت ثابت نہ ہوجائے، اس وقت تک ان کو آگے نہ پہنچائیں اور نہ ہی شائع کریں (۱۳) میرے بعد یا میری زندگی میں میری نسبت سے کوئی تحریر یا تقریر اس وقت تک شائع نہ کریں جب تک بندہ کے درج ذیل مجاز حضرات میں سے کسی ایک سے تصدیق نہ کرالیں (الف) مولانا مفتی محمد رضوان صاحب (مدیر: ادارہ غفران چاہ سلطان، راولپنڈی) (ب) مولانا مفتی محمود اشرف عثمانی صاحب (مفتی جامعہ دارالعلوم کراچی) (یہ دونوں حضرات حضرت والا رحمہ اللہ تعالیٰ کے خلفاء عظام میں ہیں اور بحمد اللہ تعالیٰ ان کا فیض خواص وعام میں جاری وساری ہے، اللھم زدفزد) (ج) مولانا مفتی عبدالقدوس ترمذی صاحب (مہتمم جامعہ حقانیہ ساہیوال سرگودھا) (۱۴) میں نے بعض احباب کو اجازت بیعت دی ہے جن کے اسماء گرامی الگ سے جمع کردئے گئے ہیں، یہ اجازت بھی مذکورہ شرائط وہدایات پر عمل پر معلق ہیں، خصوصاً حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے سلسلہ سے وابستہ رہنے تک قائم ہیں۔ حضرت تھانوی رحمہ اللہ کے طریق وذوق سے خدانخواستہ کوئی ہٹ جائے تو وہ نہ میری ہدایت ہے اور ایسی صورت میں اس کا مجاز رہنا خطرہ میں ہوگا اور ممکنہ اصلاح احوال نہ ہونے کی صورت میں وہ اجازت منسوخ ہوگی۔

ولعل اللہ یحدث بعد ذٰلک امراً

مؤرخہ ۱۰/ ربیع الثانی ۱۴۲۸ھ اسلام آباد

حضرت والا نے سالکین واحباب کیلئے جو قیمتی نصائح اور ہدایات تحریر فرمائی ہیں وہ یقیناً زندگی کا دستور العمل بنانے کے قابل ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق عطا فرمائیں اور حق تعالیٰ حضرت والا کے فیض کو عام وتام فرمائیں، آمین۔

ہر گز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق — ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

احقر ناکارہ کا بھی ایک عرصہ تک حضرت والا سے ادنیٰ درجہ کا تعلق رہا ہے، بحمداللہ حضرت کی مجلس اور صحبت و ملفوظات وارشادات سے ہمیشہ فائدہ محسوس ہوا، حضرت سے اصلاحی تعلق کے بعد بہت سے امور میں رہنمائی ملی اور حضرت نے بڑی شفقت سے ہر بار رہنمائی فرمائی اور عنایت و کرم کا معاملہ فرمایا حضرت سے اپنے تعلق اور دس گیارہ سال کے زمانہ تک آپ کی شفقت و عنایت اور اصلاح کے واقعات ایک مستقل مضمون کے متقاضی ہیں جو سر دست ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے چاہا تو پھر کسی وقت یہ مضمون بھی سپرد قلم ہوگا۔ احقر سر دست انہی سطور پر اکتفا کرتے ہوئے آخر میں اپنے احباب اور قارئین کو اس طرف متوجہ کرنا ضروری سمجھتا ہے کہ وہ بے شک علم ظاہری کی تحصیل اور اس میں مہارت و کمال پیدا کریں اور اس کے لئے ہر ممکن کوشش وجدوجہد بھی فرمائیں لیکن اسے کافی سمجھتے ہوئے اس پر کفایت نہ کریں بلکہ اپنی باطنی اصلاح کی طرف ضرور متوجہ ہوں اور اس کے لئے کسی شیخ کامل سے اپنا باقاعدہ اصلاحی تعلق ضرور قائم کریں اور اس کے لئے محض بیعت کو کافی نہ سمجھیں بلکہ اصلاح کے لئے اپنے آپ کو کلیۃً ان کے اس طرح سپرد کر دیں: کالمیت فی ید الغسال۔

دور حاضر میں اٹھنے والے فتنوں کے جہاں اور بہت سے محرکات اور اسباب ہیں وہاں ایک بڑا سبب اہل اللہ اور اولیاء کرام سے دوری اور اپنی باطنی اصلاح کا فقدان ہے۔

قرآن کریم اور احادیث سے تزکیہ اور سلوک واحسان کی اہمیت واضح ہے اور اس کے لئے مزکی و مربی کا ہونا ضروری ہے قرآن کریم میں اہل ایمان کو بار بار تقویٰ اختیار کرنے کا حکم دیا گیا اور اس کے لئے "و کونوا مع الصادقین" فرمایا گیا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ صادقین اور متقین کا وجود قیامت تک رہے گا اس لئے ہر شخص کو صادقین کی

تلاش اوران سے اصلاحی تعلق قائم کرناضروری ہے۔حکیم الامت مجددالملت حضرت اقدس مولانا تھانوی قدس سرہ نے اہل اللہ کے تعلق اوران کی صحبت کودور حاضر میں لازم اورفرض فرمایاہے کہ اس کے بغیرایمان کی حفاظت مشکل ہے نیک صحبت کے اثرات سب کے نزدیک مسلم ہیں۔حضرت شیخ سعدی رحمہ اللہ تعالیٰ کامشہورارشاد ہے۔

گلے خوشبوئے درحمام روزے رسید از دست محبوبے بدستم
بدو گفتم کہ مشکے یاعبیرے کہ از بوئے دلآویز تو مستم
بگفتا من گلِ ناچیز بودم ولیکن مدتے باگل نشستم
جمال ہم نشیں درمن اثرکرد وگرنہ من ھما خاکم کہ ھستم

ہمارے تمام اکابراورمشائخ عظام نے جمیع علوم وفنون میں مہارت اوراعلیٰ درجہ کی قابلیت اوراستعداد کے باوجوداصلاح باطن کے لئے اپنے آپ کوضرورکسی نہ کسی شیخ وقت اورمصلح کے سپردکیا۔ان اکابر کے حالات وسوانح دیکھنے سے یہ حقیقت واضح طورپر سامنے آجاتی ہے۔

حجۃ الاسلام قاسم العلوم والخیرات بانی دارالعلوم دیوبندحضرت مولانامحمدقاسم نانوتوی اورابوحنیفہ وقت حضرت اقدس مولانارشیداحمدگنگوہی رحمہ اللہ تعالیٰ نے بایں ہمہ کمالات ظاہری وباطنی شیخ الطائفہ حضرت اقدس حاجی امداداللہ مہاجرمکی قدس سرہ کادامن پکڑااورپھر دارالعلوم دیوبندمیں ایک وقت ایسا بھی آیاکہ وہاں شیخ الحدیث سے لے کرادنیٰ خادم تک صاحب نسبت ولی اللہ ہواکرتے تھے ۔ان حضرات اکابر کے علاوہ دیگربزرگوں میں حضرت اقدس مولانامحمدیعقوب صاحب نانوتوی،حضرت اقدس شیخ الہندمولانامحمودحسن دیوبندی ، حکیم الامت مولانااشرف علی تھانوی،شیخ العرب والعجم حضرت مولاناسیدحسین احمدمدنی ،حضرت مفتی اعظم مفتی محمدشفیع صاحب دیوبندی ،حضرت حکیم الاسلام قاری محمدطیب قاسمی

صاحب دیوبندی، حضرت مولانا خیر محمد جالندھری، حضرت مفتی محمد حسن امرتسری، حضرت علامہ مولانا ظفراحمد عثمانی ،حضرت اقدس شیخ مسیح اللہ جلال آبادی،حضرت شاہ عبدالغنی پھولپوری، حضرت مفتی رشید احمد لدھیانوی، حضرت مولانا مفتی عبدالشکور ترمذی رحمہم اللہ تعالیٰ وغیرھم سب حضرات علم و عمل کی جامعیت کے باوجود وقت کے مشائخ اور مصلحین امت سے منسلک اوران سے باقاعدہ اصلاح یافتہ اوراجازت یافتہ تھے۔اسی لئے اکابر علماء دیوبند کی متفقہ عقائدی دستاویز''المہند علی المفند'' میں متبع شریعت شیخ سے بیعت کو مستحب قرار دیا گیا ہے۔ چنانچہ اس میں تحریر ہے: ''ہمارے نزدیک مستحب ہے کہ انسان جب عقائد کی درستی اور شرع کے مسائل ضروریہ کی تحصیل سے فارغ ہوجائے تو ایسے شیخ کی بیعت ہو جو شریعت میں راسخ العقیدہ ہو دنیا سے بے رغبت ہو آخرت کا طالب ہو خود بھی کامل ہو دوسروں کو بھی کامل بنا سکتا ہو'' (المہند) بیعت چونکہ ضروری نہیں اس لئے اسے مستحب فرمایا ہے لیکن تزکیہ نفس اوراصلاح باطن چونکہ ضروری اور فرض ہے اس لئے اس مقصد کے لئے اس تعلق کا ضروری ہونا واضح ہے۔

بہرحال اس پرفتن دور میں اہل اللہ کی صحبت و معیت اوران سے اصلاح کرانا ازحد ضروری ہے،تمام شرور وفتن سے حفاظت کے لے یہ حصن حصین ہے،اہل علم کو بطور خاص اس سے اپنے آپ کو مستغنی نہیں سمجھنا چاہئے۔آج کل چونکہ نوجوان طبقہ میں اس کی کمی خاص طور پر دیکھنے میں آرہی ہے اوراس کے نقصانات بھی مشاھد ہیں اس لئے احقر نے اس پر بطور خاص متوجہ کیا ہے ؏ شاید کہ اتر جائے ترے دل میں مری بات

اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی مرضیات پر چلنے کی توفیق عطا فرمائیں اور دنیا و آخرت میں صالحین کے ساتھ ہمارا الحاق فرمائیں، آمین۔فقط

۱۱/صفر الخیر ۱۴۳۳ھ ۶/جنوری ۲۰۱۲ء جمعۃ المبارک

مولانا منظور احمد نعمانی رحمہ اللہ تعالیٰ

درس حدیث

ایمان واسلام کی چند ظاہری نشانیاں

عن انس بن مالک قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم من صلّٰى صلاتنا واستقبل قبلتنا واكل ذبيحتنا فذلك المسلم الذى له ذمة الله وذمة رسوله فلا تخفروا الله فى ذمته

ترجمہ :حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جوکوئی ہماری سی نماز پڑھے،اورہمارے قبلہ کی طرف رخ کرے اورہمارا ذبیحہ کھائے پس یہ وہ مسلم ہے جس کے لئے اللہ کی امان ہے ،اوراللہ کے رسول کی امان ہے،سو تم اللہ کے عہد کو نہ توڑو،اس کی امان کے بارہ میں۔ (بخاری)

تشریح:اس حدیث کا مقصد سمجھنے کے لئے یہ حقیقت پیش نظر رکھ لینی چاہیے کہ حضور ﷺ کے عہد مسعود میں جب دعوت اسلام طاقت اور قوت کے ساتھ بڑی تیزی سے بڑھتی جارہی تھی تو بکثرت ایسے واقعات پیش آتے تھے کہ بعض لوگ اسلام قبول کر لیتے تھے لیکن خاص حالات میں ان کے متعلق اس شبہ کی گنجائش رہتی تھی کہ شاید انہوں نے حقیقی طور پر اور دل سے اسلام کو اختیار نہیں کیا ہے۔ پس رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کا خاص تعلق ایسے ہی لوگوں سے ہے اور آپ کا مقصد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو یہ جتلانا ہے کہ جس شخص میں تم اسلام قبول کرنے کی یہ ظاہری اور موٹی موٹی علامتیں دیکھو کہ وہ اسلامی طریقہ پر نماز پڑھتا ہے اور نماز میں قبلۂ مسلمین کی طرف ہی رخ کرتا ہے اوراہل اسلام کا ذبیحہ کھاتا ہے تو اس کو مسلمان ہی سمجھو اوراس کے جان ومال کو اللہ اوراس

کے رسول کی امان میں سمجھو یعنی خواہ مخواہ اس قسم کی بدگمانی کی بناپر کہ اس کے دل میں اسلام نہیں ہے بلکہ اس نے صرف منافقانہ طور پران اسلامی شعائر کواختیار کرلیا ہے اس کے خلاف کوئی اقدام نہ کرو۔ بہرحال اس حدیث کامقصداسی بارے میں مسلمانوں کوتنبیہ کرنا ہے۔

پس بعض لوگوں کااس حدیث سے یہ نتیجہ نکالنامقصدحدیث سے ناواقفی اور سخت جاہلانہ گمراہی ہے کہ جس شخص میں اسلام کی ظاہری علامتیں موجودہوں (یعنی نماز پڑھناقبلہ کی طرف رخ کرنااور مسلمانوں کاذبیحہ کھانا) پھروہ خواہ کیسے ہی خلاف اسلام عقائدوخیالات رکھے اورخواہ کیسے ہی کافرانہ ومشرکانہ اعمال کرے بہرحال وہ مسلمان ہی رہتا ہے۔ دراصل اس قسم کے لوگوں سے اس حدیث کاکوئی تعلق ہی نہیں ہے اورایسے لوگوں کو مسلمان قراردینے کامطلب تویہ ہوگاکہ اسلام صرف ان ظاہری اعمال اورعلامات ہی کانام ہے ،اورایمان واعتقادکی اس میں کوئی اہمیت ہی نہیں ہے،اورظاہرہے کہ اسلام کے بارے میں اس سے زیادہ جہالت اورگمراہی کی بات اورکوئی نہیں ہوسکتی۔(ج ا ص ۱۲۵)

مرسلہ: محمد صدیق عفا اللہ عنہ

ملفوظات حکیم الامت رحمہ اللہ تعالیٰ

بقلم: حضرت مولانا حافظ ابرار الحق صاحب حقی تصحیح: مولانا محمد اسعد اللہ رامپوری قدس سرہما

O ایک صاحب نے فرمایا ملامتیہ کون لوگ ہیں؟ فرمایا ملامتیہ وہ لوگ ہیں کہ اہتمام تو سب اعمال کا کرتے ہیں قلندروں کی طرح تقلیل نہیں کرتے لیکن اخفاء کے ساتھ کرتے ہیں اظہار سے احتراز کرتے ہیں۔ اس اصطلاح کو لوگوں نے بگاڑ رکھا ہے سمجھتے ہیں ملامتیہ وہ ہیں جو علی الاعلان کبائر و صغائر کا ارتکاب کریں اور امر بالمعروف و نہی عن المنکر کی پرواہ نہ کریں۔ ایک صاحب نے پوچھا کہ ملامتیہ فرائض و واجبات کا بھی اخفاء کرتے ہیں؟ فرمایا نہیں ایسا اخفاء تو جائز نہیں جو امور شعائر اسلامیہ سے ہیں ان کا اخفاء تو ایمان کے اخفاء کے برابر ہے یہ بھی حرام ہے وہ بھی حرام۔ یہ لوگ صرف نوافل کا اخفاء کرتے ہیں قلندر میں اور ملامتی میں صرف اتنا فرق ہے کہ وہ نوافل کا زیادہ اہتمام ہی نہیں کرتا اور یہ اہتمام تو کرتا ہے مگر چھپا کر۔

O ایک صاحب نے کہا کہ بعض مرتبہ آٹھ آنہ سیر برف لینا پڑتا ہے مگر کیا کروں عادت کی وجہ سے اس اسراف کو برداشت کرتا ہوں، حضرت نے فرمایا جس کو عادت ہو اس کو آٹھ آنہ سیر برف خریدنا اسراف نہیں بلکہ اس کی ضروریات زندگی میں داخل ہے۔

O فرمایا خانقاہ امدادیہ تھانہ بھون کے کنوئیں کا پانی پہلے اس قدر شور تھا کہ وضو کے لوٹوں کو لونی لگ جایا کرتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے محض اپنے فضل و کرم سے بلا کسی ظاہر سبب کے بالکل شیریں کر دیا ہے اب شوریت کا کچھ بھی اثر نہیں۔ اسی سلسلہ میں فرمایا دیوبند میں ایک عجیب کنواں ہے اس کے ایک طرف کے پانی سے تو دال گل جاتی ہے اور دوسری طرف کے پانی سے بالکل نہیں گلتی بعض کنوئیں ایسے بھی سننے میں آئے ہیں کہ ایک طرف کا پانی کھاری اور ایک طرف کا میٹھا، یہ سب قدرت کے کرشمے ہیں۔

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ

عصمت انبیاء علیہم السلام علماء حق کی نظر میں

(قسط۳)

مؤلف کا لغزش کے لفظ سے غلط فائدہ اٹھانا

''تفہیمات'' کی عبارت میں لغزش کے لفظ سے غلط فائدہ اٹھانے کی یہ انوکھی مثال ہے جو آپ نے یہاں پیش کی ہے حقیقت یہ ہے کہ اس عبارت میں مولانا مودودی کی مراد اصطلاحی لغزش نہیں ہے بلکہ اس سے ان کی مراد گناہ ہے۔ حفاظت و عصمت کے اٹھا لینے کا ذکر بھی اس کا واضح قرینہ ہے کیونکہ عصمت کے خلاف معصیت اور گناہ ہے نہ کہ اصطلاحی لغزش۔ اور عصمت گناہوں سے مانع ہوتی ہے نہ کہ لغزش سے تو عصمت کے اٹھانے کی ضرورت گناہوں کے سرزد ہونے کے لئے ہے نہ کہ لغزشوں کے سرزد ہونے کے لئے اور جس وقت عصمت کا اٹھالینا فرض کیا جائے گا تو مانع کے مرتفع ہوجانے سے اس وقت گناہ سرزد ہوں گے نہ کہ اصطلاحی لغزش۔ مگر یہ مولانا مودودی کی انشاء پردازی کا کمال ہے کہ انہوں نے اس عبارت میں گناہ کے لفظ کے استعمال سے پرہیز کیا ہے اور اس کی جگہ لغزش کا لفظ ذکر کرکے کم فہم لوگوں کو مغالطہ میں ڈال دیا ہے ورنہ مولانا مودودی کی عبارت کے سیاق وسباق میں منصب نبوت کی ذمہ داریوں کے ادا کرنے اور حفاظت کے اٹھا لینے اور اس کے منفک اور جدا ہوجانے کے بعد عام انسانوں کی طرح بھول چوک ہی نہیں بلکہ غلطی کے ہوجانے کا ذکر سب اس بات پر واضح قرائن ہیں کہ اس جگہ لغزش سے مراد گناہ ہے اور مؤلف کی اس جگہ یہ بحث کہ لغزش سے مراد گناہ صغیرہ ہے یا کبیرہ اور سرزد ہونے سے مراد سہواً وخطاً سرزد ہونا ہے یا عمداً سرزد ہونا بالکل فضول اور لغو ہے۔ اس

لئے کہ بناء الزام تو اس پر ہے کہ اس عبارت میں انبیاء علیہم السلام سے حفاظت و عصمت کے اٹھا لینے کو تسلیم کیا گیا ہے۔ اور یہ بنا ہر حالت میں اپنی جگہ پر قائم ہے۔

حضرت الشیخ مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تنقید

حضرت الشیخ استاذنا و مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ نے تفہیمات کی اس عبارت پر جو تنقید فرمائی ہے اس کا منشاء بھی یہی ہے کہ حضرت موصوف کے نزدیک ہر نبی سے عصمت وحفاظت کے اٹھا لینے کا عقیدہ اصول عقائد اسلامیہ کے خلاف ہے ۔چنانچہ حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ کی اصل عبارت یہ ہے کہ ''مذکورہ بالا عقیدہ کہاں تک اصول وعقائد اسلامیہ کے مطابق ہے جس میں ہر نبی سے عصمت وحفاظت کا اٹھا لینا اور بالارادہ ان سے لغزشیں کرا دینا مانا گیا ہے'' (مودودی دستور)

مذکورہ عبارت سے واضح ہو رہا ہے کہ حضرت الشیخ مدنی کی گرفت اس پر ہے کہ انبیاء علیہم السلام سے کسی وقت عصمت وحفاظت کے اٹھا لینے کا عقیدہ رکھا جائے یہ عقیدہ حضرت الشیخ مدنی کے نزدیک بھی تمام اہل سنت کی طرح اصول وعقائد اسلامیہ کے خلاف ہے۔ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی عصمت ان کے لئے دائمی ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت الشیخ کی عبارت میں اس کی تصریح ہے کہ ''اسی طرح عصمت ان کی دائمی ہے۔ کسی وقت ان سے جدا نہیں ہوتی ۔ جن امور کو مودودی صاحب لغزشیں شمار کرتے ہوئے عصمت کا اٹھ جانا سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے بہرحال عصمت انبیاء علیہم السلام کے لئے نبوت کے لوازم ذاتیہ میں سے ہے کبھی ان سے جدا نہیں ہوتی'' (مودودی دستور ص ۳۰)

حضرت الشیخ نے تو یہ فرمایا ہے کہ عصمت نبوت کے لوازم ذاتیہ میں سے ہے اور نبی کے لئے دائمی طور پر ثابت ہے اس لئے کبھی اور کسی وقت بھی وہ نبی سے جدا نہیں ہوتی بلکہ اس کا جدا ہونا محال ہے ۔اگر عصمت نبی کے لئے دائمی نہ ہو اور کسی وقت

ان سے جدا ہوجائے تو نبی معیار حق نہ رہے چنانچہ اس عبارت کی تردید کرتے ہوئے حضرت الشیخ نے ارقام فرمایا ہے کہ ''جبکہ عصمت نبوت کے لوازم ذاتیہ میں سے نہیں ہے جیسا کہ جلد ثانی تفہیمات ص ۴۳ میں ہے تو پھر کسی نبی سے عصمت کا مفارق ہونا مستحیل نہ ہوگا اور نہ ان میں عصمت کا دوام ہوگا۔ اس لئے کوئی نبی معیار حق نہ ہوگا (مودودی دستور ص ٦٦)

حضرت الشیخ کے اس ارشاد کی وجہ یہ ہے کہ نبی سے عصمت کے مفارق اور جدا ہونے کی صورت میں لازم آتا ہے کہ اس وقت نبی نبی ہی نہ رہے لان انتفاء اللازم یستلزم انتفاء الملزوم کیونکہ لازم کے انتفاء سے لازمی طور پر ملزوم منتفی ہوجاتا ہے۔ اور عصمت نبوت کے لوازم ذاتیہ میں سے ہے تو جس وقت عصمت نہ ہوگی لازم آتا ہے کہ نبوت بھی نہ رہے۔ اس وجہ سے حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ حفاظت وعصمت اٹھا لینے کا عقیدہ اصول وعقائد اسلامیہ کے خلاف ہے کیونکہ اس عقیدہ سے نبی کی نبوت کا اٹھ جانا لازم آتا ہے مگر مؤلف اپنی خوش فہمی سے یہ سمجھ رہے ہیں کہ عقائد اور اصول اسلامیہ کے خلاف جو عقیدہ ہے وہ یہ ہے کہ ''عصمت وحفاظت کو اٹھا کر بڑے یا چھوٹے گناہ سرزد ہونے دئے جائیں'' اور اگر عصمت وحفاظت کو اٹھا کر لغزشیں سرزد ہونے دی جائیں تو یہ عقیدہ مؤلف کے نزدیک تمام اہل سنت کے ہاں متفق علیہ عقیدہ کی حیثیت سے منقول ہوتا چلا آیا ہے (علمی جائزہ ص ٧٩)

کیا مؤلف اہل سنت میں سے کسی بھی معتبر عالم کا یہ عقیدہ دکھلا سکتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام سے جو لغزشیں سرزد ہوئی ہیں وہ ان کی عصمت کو اٹھا کر ہوئی ہیں۔ اسی نظریہ کی تردید کے لئے تو حضرت الشیخ رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا تھا کہ ''جن امور کو مودودی صاحب لغزشیں شمار کرتے ہوئے عصمت کا اٹھ جانا سمجھتے ہیں یہ ان کی غلطی ہے'' (مودودی دستور ص ٣٠) اس لئے کہ لغزشوں سے تو عصمت کا تعلق ہی نہیں ہوتا۔ ان لغزشوں کے

صدور سے یہ سمجھ لیناکہ عصمت اٹھ گئی یہ مودودی صاحب کی غلطی ہے۔بہرحال اہل سنت میں کسی کا یہ عقیدہ نہیں ہے کہ عصمت اٹھاکر لغزشیں سرزد ہونے دی گئی ہیں جس کا دعویٰ مؤلف نے کیا ہے ۔کیونکہ مصطلحہ لغزشوں کے صدور کے لئے تو عصمت کے اٹھنے کی ضرورت نہیں اور جس وقت عصمت اٹھ جائے گی تو پھر گناہ کا صدور بھی جائز ہوگا۔

اب فرمائیے کہ حضرت الشیخ کی تنقید کا جو تجزیہ آپ نے کیا ہے اس کا پہلا جز (الف)ہر نبی کے متعلق یہ عقیدہ رکھناکہ اس سے اللہ تعالیٰ نے بالارادہ عصمت وحفاظت اٹھاکر لغزشیں سرزد ہونے دی ہیں۔ عقائداور اصول اسلامیہ کے مخالف ہے درست ہے یا نہیں ؟اسی طرح اگر کسی وقت نبی سے حفاظت اٹھالی جائے تو کیا اس وقت وہ نبی معیارحق رہ سکتا ہے بلکہ کیا اس وقت وہ نبی رہ سکتا ہے ۔اب غور کیجئے کہ حضرت الشیخ کی تنقید کے تجزیہ کا دوسرا جز(ب) ''کیونکہ ایسی صورت میں نہ کوئی نبی معیارحق رہ سکتا ہے اور نہ اس پر اعتماد ہوسکتا ہے الخ'' ۔بھی درست ہے یا نہیں ؟جب حضرت الشیخ مدنی رحمہ اللہ تعالیٰ کی تنقید کے یہ دونوں جز درست ہوئے تو پھر آپ کے تجزیہ کے تیسرے جز(ج) ''اس بنا پر یہ اختلاف اصولی ہے نہ فروعی الخ''۔ (علمی جائزہ ص۶۷) کے صحیح اور درست ہونے میں کیا شبہ رہا۔اس حقیقت کے معلوم کر لینے کے بعد امید ہے کہ اب آپ کی وہ حیرت اور دماغی چکر سب جاتا رہے گا جو آپ کو حضرت الشیخ مدنی کی اس تنقید پر ''غور کرنے کے باوجود لاحق ہے اور آپ کو اس کی شکایت ہے'' (علمی جائزہ ص ۶۷) اور یہ بھی یقین ہوجائے گا کہ حضرت الشیخ جیسے محقق اور متبحر عالم کا ہی یہ مقام تھاکہ ان کی زبان قلم سے یہ مختصر مگر جامع اور معنیٰ خیز الفاظ نکلیں۔ لیکن ان کے سمجھنے کے لئے قابلیت اور استعداد بھی ہر شخص کو عطا نہیں کی گئی یہ بھی خدا کی توفیق اور اس کی دین ہے کہ ایسے محقق اور متبحر شیخ وقت کے کلام کا سمجھنا اللہ تعالیٰ کسی پر سہل اور آسان فرمادیں۔

تفہیمات کی عبارت کے تجزیہ کا دوسرا جز (ب) ''یہ عصمت انبیاء کے ذوات کے ساتھ لازم نہیں ہے بلکہ نبوت اور رسالت کے لوازمات میں سے ہے'' (ص ۶۴)

مؤلف نے اس شق کی دلیل میں جو کچھ لکھا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ایک حالت قبل البعثت ہے اور دوسری حالت بعد البعثت ہے اب اگر عصمت ان کے ذوات کے لئے لازم مان لی جائے تو ضروری ہے کہ عصمت دونوں حالتوں میں یکساں طور پر بالاتفاق ثابت ہو'' حالانکہ اکثر اہل سنت انبیاء علیہم السلام کو قبل از بعثت معصوم نہیں مانتے'' (علمی جائزہ ص ۶۷)

مؤلف کا علی الاطلاق یہ کہہ دینا غلط ہے کہ اکثر اہل سنت قبل از بعثت عصمت انبیاء کے قائل نہیں ہیں کیونکہ عصمت کی اپنے متعلقات کے اعتبار سے مختلف قسمیں ہیں۔ ایک قسم عصمت عن الکفر ہے (کفر سے عصمت) بھی ہے اور اس عصمت کے بارہ میں امت کا اجماع ہے کہ یہ عصمت قبل بعثت بھی انبیاء علیہم السلام کے لئے ثابت ہے۔ نبوت سے قبل اور بعد کی دونوں حالتوں میں انبیاء علیہم السلام کفر سے معصوم ہوتے ہیں بلکہ کفر سے عصمت شرط نبوت ہے۔

دلیل

مسامرہ میں ہے: وشرطها ایضاً العصمة من الکفر قبل النبوة وبعدها بالاجماع (ص ۲۷۷) نبوت سے پہلے اور نبوت کے بعد کفر سے معصوم ہونا نبوت کے لئے اجماعی شرط ہے۔

الشیخ قاسم بن قطلوبغا تلمیذ ابن الهمام فرماتے ہیں: اتفق جمهور المسلمین علی ان الانبیاء علیهم الصلاة والسلام معصومون عن الکفر قبل الوحی وبعده (مسامرہ ص ۲۲۸)

جمہور مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ انبیاء علیہم السلام کفر سے معصوم ہیں، وحی سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی اور جمہور کے نزدیک کفر کی طرح دوسرے کبائر سے بھی انبیاء علیہم السلام بعثت سے قبل اور بعد کی دونوں حالتوں میں معصوم ہوتے ہیں۔

دلیل

شرح عقائد نسفی میں ہے :وفی عصمتهم عن سائرالذنوب تفصیل وهوانهم معصومون عن الکفرقبل الوحی وبعده بالاجماع و کذا عن تعمدالکبائرعندالجمهورخلافاًللحشویة (ص۹۸)

اور باقی گناہوں سے معصوم ہونے میں تفصیل ہے وہ یہ کہ کفر سے تو انبیاء وحی آنے سے پہلے بھی اور اس کے بعد بھی بالاجماع معصوم ہوتے ہیں اور اسی طرح جمہور کے نزدیک عمداً کبائر (بڑے گناہوں) سے بھی معصوم ہوتے ہیں حشویہ کا اس میں خلاف ہے۔

اور محققین کا مذہب یہی ہے کہ بعثت کے بعد کی حالت کی طرح بعثت سے قبل بھی انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں۔ مؤلف نے بھی اس کو دبی زبان سے بعض کا مذہب بتلایا ہے۔

دلیل

ملا علی القاری فرماتے ہیں:ثم هٰذه العصمة ثابتة للانبیاء قبل النبوة وبعدهاعلی الاصح (شرح فقہ اکبر ص۶۸) پھر یہ عصمت انبیاء کے لئے ثابت ہے نبوت سے پہلے بھی اور بعد بھی اصح قول پر۔ اور علامہ ابوالمنتہیٰ نیز اکابر دیوبند میں سے حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی اور حضرت حکیم الامت تھانوی کی عبارتیں بھی اوپر گزر چکی ہیں جن سے ثابت ہو رہا ہے کہ انبیاء علیہم السلام ہر قسم کے گناہوں سے بعثت سے قبل اور بعد کی دونوں حالتوں میں معصوم ہوتے ہیں۔ (جاری.....)

فقیہ العصر مفتی سید عبدالشکور ترمذی نوراللہ مرقدہ

ارشادالعبادفی عیدالمیلاد

عید میلاد کی شرعی حیثیت (آخری قسط)

رسم میلاد کی تردید دلائل سے

شریعت کے دلائل چار ہیں کتاب وسنت، اجماع وقیاس۔ اول کتاب اللہ کو سمجھئے حق تعالیٰ ارشادفرماتے ہیں: ام لهم شر كاءشرعوالهم من الدين مالم ياذن به اللہ یعنی کیاان کے لئے شرکاءہیں کہ انہوں نے دین کی وہ بات مقررکردی جس کی اللہ تعالیٰ نے اجازت نہیں دی؟ یہ آیت صاف بتلارہی ہے کہ دین کی بات بدوں اذن الٰہی یعنی بغیردلیل شرعی کسی کومقررکرنامذموم ومستنکر ہے، یہ تودلیل کاکبریٰ ہے اور صغریٰ یہ ہے ''عید میلادکودین کی بات سمجھ کرہی بغیردلیل کے مقررکیاگیاہے'' لہٰذا یہ نتیجہ واضح ہے کہ عید میلادبدعت اورواجب الترک ہے۔

اب حدیث لیجئے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ارشادفرماتے ہیں: من احدث فی امرنا هٰذا مالیس منه فهورد جو شخص ہمارے اس دین میں وہ شئے نکالے جواس میں نہیں ہے پس وہ واجب الرد ہے۔ اورمراد نئی شی وہ ہے جس کاسبب قدیم ہواورپھراس وقت اس پرعمل نہ کیاگیاہو، باقی جس کاسبب جدیدہواوروہ موقوف علیہ کسی مامور بہ کاہووہ بدعت میں داخل نہیں ہے جیساکہ اوپرگزرچکاہے۔

اوریہ واضح ہے کہ عید میلاد کاسبب خواہ ولادت نبویہ علیٰ صاحبہاالصلاۃ والتحیۃ پر خوشی اورمسرت ہو، یااسلام کی شوکت اورعظمت کااظہاراس کاسبب بتلایاجائے بہرحال ان میں سے جوبھی سبب قراردیاجائے وہ قدیم ہے یعنی فرحت اورسروراورشوکت

اسلام کے اظہار کی زمانہ خیرالقرون میں بھی ضرورت تھی، بلکہ اس وقت سے کچھ زیادہ ہی ضرورت تھی مگر حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، بلکہ خیرالقرون کے زمانہ میں کسی نے بھی اس پر عمل نہیں کیا تو معلوم ہوا کہ یہ نئی چیز اور بدعت واجب الترک ہے۔

دوسری حدیث

حضور ﷺ فرماتے ہیں ''میری قبر کو عید مت بناؤ'' اس حدیث میں غیر عید کو عید منانے کی ممانعت فرمائی گئی ہے اور مطلب یہ ہے کہ قبر شریف پر عید کی طرح تاریخ معین کر کے اہتمام کے ساتھ جمع ہونا منع ہے، اس لئے روضۂ اقدس پر حاضری کے لئے کوئی خاص تاریخ متعین نہیں ہے آگے پیچھے قافلے جاتے ہیں اور زیارت کر کے چلے آتے ہیں، نہ زیارت کی کوئی تاریخ متعین ہے اور نہ اہتمام عید کا سا ہے اس لئے اس سے قبر مبارک کی زیارت کی ممانعت نہیں ثابت ہوتی بلکہ زیارت کا مستحب ہونا دوسری حدیثوں سے ثابت ہے۔

اس حدیث سے عید میلاد کی نفی نہایت واضح ہے، اول بطور مقدمہ کے جاننا چاہئے کہ آنحضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف اور فضیلت حاصل ہے اس لئے کہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور ﷺ خود مع تلبس روح (روح کے تعلق کے ساتھ) اس کے اندر تشریف فرما ہیں کیونکہ آپ ﷺ قبر مبارک میں زندہ ہیں قریب قریب تمام اہل حق کا اس پر اتفاق ہے جب حضور ﷺ کا جسد اطہر قبر مبارک میں روح مبارک سمیت محفوظ ہے اور علماء نے تصریح کی ہے کہ زمین مبارک کا وہ بقعہ جس سے جسم مبارک مع روح کے مس کئے ہوئے ہے (ملا ہوا ہے) وہ عرش سے بھی افضل ہے کیونکہ عرش پر معاذاللہ حق تعالیٰ شانہ بیٹھے ہوئے تو نہیں اس کو صرف اسی وجہ سے دوسرے مقامات پر فضیلت ہے کہ وہ حق تعالیٰ کی تجلی گاہ ہے اور ظاہر ہے کہ حق تعالیٰ کی مخلوق

میں حضور ﷺ سے زیادہ کون تجلی گاہ الٰہی ہوگا اور رسول ﷺ کے واسطے سے قبر مبارک پر تمام مکانات سے زیادہ حق تعالیٰ کی تجلیات فائض ہوتی ہیں، اس حیثیت سے بھی قبر مبارک کا وہ بقعہ جس سے جسم مبارک ملا ہوا ہے عرش وغیرہ تمام جگہوں سے افضل ہے، یہ تو ایک مقدمہ ہوا کہ بقعہ شریف اور قبر شریف تمام مکانات سے افضل ہے۔

اب اس مقدمہ کے بعد یہ سمجھنا چاہئے کہ قبر شریف تو بلا اختلاف بعینہ باقی ہے اس میں کسی کو بھی شک نہیں ہوسکتا اور ولادت اسی طرح معراج وغیرہ کے دن یقیناً باقی نہیں ہیں کیونکہ زمانہ غیر قار ہے یعنی اس کو قرار نہیں ہوتا اور وہ بدلتا رہتا ہے اس لئے وہ دن جس میں حضور ﷺ کی ولادت ہوئی تھی اب وہ بعینہ نہیں لوٹتا بلکہ اس کا مثل لوٹتا ہے، دوسرا مقدمہ یہ ہوا۔ اس کے بعد سمجھو کہ جب حضور ﷺ نے قبر مبارک کو عید بنانا جو کہ بعینہ باقی ہے منع فرمادیا اور اس کا عید بنانا ناجائز ہوگیا تو ان دنوں کا عید بنانا جو کہ بعینہ باقی نہیں ہیں کیونکر جائز ہوسکتا ہے؟ اور جب اپنی طرف سے عید مکانی (یعنی قبر کی عید منانے) کو منع فرمادیا گیا تو عید زمانی خود کسی دن کو عید منانے سے کیوں منع نہیں کیا جائے گا؟ اس تقریر سے صراحۃً عید میلاد کا ناجائز ہونا ثابت ہوجاتا ہے۔

یہ تو قرآن وحدیث سے اس عید میلاد کی ممانعت کا ثبوت تھا اب رہا اجماع امت سو اس سے بھی اس کی ممانعت ثابت ہے، تقریر اس کی یہ ہے کہ اصول کا قاعدہ ہے کہ تمام امت کا کسی کام کے ترک پر متفق ہونا یہ اجماع ہوتا ہے عدم جواز پر، چنانچہ فقہاء نے جابجا اس قاعدہ سے استدلال کیا ہے اور اسی بنا پر نماز عیدین میں نہ اذان کہی جاتی ہے نہ تکبیر (اقامت) اگر یہ قاعدہ مسلم نہیں ہے تو کیا عیدین کی نماز میں اذان اور تکبیر کا اضافہ کردینا جائز ہوگا؟ اور اگر مسلم ہے تو اس قاعدہ سے اور جگہ بھی کام لینا چاہئے، جب زمان سابق میں جب تک کہ یہ عید میلاد ایجاد نہیں کی گئی تھی اس کے ترک پر تمام امت کا اتفاق ہوچکا ہے

تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ عید میلاد ناجائز اور منع ہے جیسا کہ عیدین کی نماز میں اذان اور تکبیر کا کہنا اسی دلیل سے ممنوع ہے۔ اور بعد کے زمانہ میں اس عید کو ایجاد کر کے اس اتفاق کو رفع نہیں کیا جا سکتا جو زمان سابق میں متحقق ہو چکا ہے ورنہ تو پھر آج اس زمانے میں کوئی شخص عیدین کی نماز میں اذان وتکبیر کا اضافہ کر کے کہہ سکتا ہے کہ اس میں اختلاف ہو گیا اور اب زمان سابق کا وہ اتفاق رفع ہو گیا جو آج تک اس کے ترک پر چلا آرہا ہے۔

موجدین عید میلاد کے دلائل اور ان کا جواب

عید میلاد کے ناجائز اور بدعت ہونے کے دلائل کے بعد اب بعض ایسے دلائل کا ذکر کیا جاتا ہے جن سے اس عید کے ایجاد کرنے والے بالکل ناآشنا اور ناواقف ہیں مگر بعض بدعت پسند عربی خوانوں نے اس بدعت کی تائید میں ان کو پیش کئے یا وہ پیش کر سکتے ہیں اور اس طرح موجدین میلاد کے ہاتھوں میں انہوں نے دلائل دینے کی کوشش کی ہے۔

پہلا استدلال اور اس کا جواب

اول وہ آیت: قل بفضل الله وبرحمته فبذٰلک فلیفرحوا سے اس طرح استدلال کر سکتے ہیں کہ اس آیت سے فرحت کا حکم ثابت ہوا اور یہ بھی اظہار فرحت کے لئے ہے لہٰذا جائز ہے۔ جواب ظاہر ہے کہ اس آیت سے فقط فرحت کا حکم ثابت ہوتا ہے اور گفتگو اس خاص متعارف طریقہ میلاد میں ہے، اس سے اس کا کوئی ثبوت نہیں ہوتا۔ اگر اس کلیہ میں اس کا داخل کرنا صحیح ہو تو کتب فقہ میں جن بدعات کو رد کیا گیا ہے وہ بھی کسی نہ کسی ایسے ہی کلیہ میں داخل ہو سکتی ہیں، تو پھر کیا ان کو بھی جائز کہا جائے گا؟ حالانکہ کتب فقہ میں جو فریقین کے نزدیک مسلم ہیں ان بدعات کی ممانعت صراحۃً مذکور ہے ہم جس بات کو منع کرتے ہیں وہ ہیئت خاصہ ہے اور جو فرحت آیت فلیفرحوا سے ثابت ہوتی ہے وہ فرحت مطلقہ ہے، پس اہل بدعت یہ سمجھتے ہیں کہ ہم فرحت کو منع کرتے ہیں

حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے بلکہ اگر غور سے کام لیا جائے تو ہم اس فرحت پر زیادہ عمل کرتے ہیں ،اس لئے کہ موجدین تو سال بھر میں ایک ہی مرتبہ خوشی کا اظہار کرتے ہیں اور گویا ان کے نزدیک اظہار خوشی کا یہی طریقہ متعین ہے اور اس کے بغیر خوشی کا اظہار ہوتا ہی نہیں ، اس لئے جو شخص ان کے مقررہ طریقہ کے موافق خوشی کا اظہار نہیں کرتا اس کو سمجھتے ہیں کہ اس نے خوشی کا اظہار کیا ہی نہیں۔ اور ہم ہر وقت اس فرحت پر عامل ہیں جس کا حکم اس آیت میں فرمایا گیا ہے،اس لئے کہ اہل حق ایمان کی خوشی سے ہر وقت دلشاد اور فرحاں رہتے ہیں اور اس کا اس آیت میں امر فرمایا گیا ہے۔

دوسرا استدلال اور اس کا جواب

دوسرا استدلال موجدین کا اس حدیث سے ہوسکتا ہے کہ جب ابولہب نے حضور ﷺ کی ولادت کی خبر سنی تو اس نے خوشی میں آ کر ایک باندی آزاد کردی تھی اور اس پر ابولہب کی جہنم کی سزا میں تخفیف ہوگئی۔جواب اس کا بھی ظاہر ہے کہ ہم نفس فرحت کے منکر نہیں گفتگو تو اس نئی ایجاد شدہ خاص ہیئت میں ہے اس واقعہ میں صرف فرحت کا ثبوت ہوتا ہے اس ہیئت جدیدہ کا نام ونشان نہیں ہے۔

تیسرا استدلال اور اس کا جواب

تیسرا استدلال اس آیت سے ہوسکتا ہے جس کا ترجمہ یہ ہے: ''اے اللہ! ہم پر آسمان سے خوان نازل فرما کہ وہ ہمارے لئے عید بن جائے ، ہمارے پہلوں کے لئے اور ہمارے پچھلوں کے لئے، اور ایک نشانی قدرت کی آپ کی طرف سے''اس آیت سے معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے اور پہلی امتوں کی شریعت بھی ہم پر حجت ہے اگر اس پر ہماری شریعت میں رد وانکار نہ کیا گیا ہو، اور حضور ﷺ کی ولادت ظاہر ہے کہ نعمت عظیمہ ہے پس آپ کی تاریخ ولادت کو عید بنانا جائز ہوگا۔

جواب اس کا یہ ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ اس امر پر ردو انکار اسی جگہ ہو جہاں وہ منقول ہے، دیکھئے قرآن مجید میں جس جگہ سجدہ تعظیمی منقول ہے اس جگہ اس پر ردو انکار نہیں فرمایا گیا بلکہ اس کی حرمت کے دلائل دوسرے مقامات پر ذکر کئے گئے ہیں، اسی طرح جو آیات و احادیث ہم نے عید بنانے کی ممانعت میں اپنے دلائل میں بیان کی ہیں وہ سب اس پر ردو انکار کے دلائل ہیں۔

یہ جواب تو اس صورت میں ہے جبکہ آیت کے یہ معنی صحیح تسلیم کر لئے جائیں جو بیان کئے گئے ہیں ورنہ اس آیت سے یہ مطلب ثابت ہی نہیں ہوتا کہ نزول مائدہ کی تاریخ کو عید بنایا جائے گا، اس لئے کہ ''تکون'' کی ضمیر ''مائدہ'' کی طرف راجع ہے نہ ''یوم'' کی طرف اس سے ''یوم نزول مائدہ'' مراد لینا مجاز ہوگا اور معنی حقیقی کو بلاوجہ ترک کرنا درست نہیں۔ اس لئے صحیح معنی یہ ہیں ''تکون المائدة سرور النا'' یعنی وہ ہمارے لئے سرور کا باعث ہو جائے اور یہ معنی درست نہیں ہیں کہ وہ دن ہمارے لئے عید اور باعث سرور بن جائے، اور اس جگہ عید کے متعارف معنی مراد نہیں ہیں بلکہ عید سے مطلق سرور مراد ہے مطلب یہ ہے کہ وہ مائدہ ہمارے پچھلوں کے لئے سرمایۂ سرور بن جائے کہ اس نعمت پر ہمیشہ شاداں و فرحاں اور شاکر رہیں۔

لطیفہ

شائقین متعہ کیلئے جہاں م، ت، ع۔ آتا ہے اس سے وہ متعہ کا ثبوت مہیا کرنے کی کوشش کرتے ہیں اس لئے ان کے نزدیک شیخ سعدی کے شعر تمتع زہر گوشہ یافتم سے بھی شاید متعہ نکلتا ہے اور آیت ربنا استمتع بعضنا ببعض کے بھی یہی معنی ہوں گے کہ اے رب! ہمارے بعض نے بعض سے متعہ کیا ہے، ایسے ہیں شائقین عید میلاد نے اس آیت میں ع، ی، د، دیکھ کر اس سے عید میلاد کا ثبوت مہیا کرنے کی کوشش کی ہے۔

چوتھا استدلال اور اس کا جواب

چوتھا استدلال اس قصہ سے ہوسکتا ہے کہ حدیث میں آیا ہے کہ جب آیت ''الیوم اکملت لکم دینکم الخ'' نازل ہوئی تو ایک یہودی نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ اگر یہ آیت ہم پر نازل ہوتی تو ہم اس دن کو عید بنا لیتے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا کہ یہ آیت عید کے ہی دن نازل ہوئی ہے یعنی جمعہ اور عرفہ کو نازل ہوئی ہے اور ترمذی شریف میں ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ''نزلت فی یوم جمعة ویوم عرفة'' تقریر استدلال اس حدیث سے یہ ہوسکتی ہے کہ حضرت عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے عید بنانے پر انکار نہیں فرمایا، معلوم ہوا کہ عطاء نعمت کی تاریخ کو عید بنانا جائز ہے۔

اس کا جواب تو یہی ہے کہ انکار کا اس جگہ ہونا ضروری نہیں ہے چنانچہ ہمارے فقہاء نے عرفہ کے دن حاجیوں کی مشابہت سے جمع ہونے پر انکار فرمایا ہے حالانکہ یہ بھی ایک عید ہے، اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے شجرۂ حدیبیہ پر اجتماع کا انکار کہ وہ بھی مشابہ عید کے تھا منقول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ایسی عید بنانے کو جائز نہیں سمجھتے تھے، اسی طرح حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ کا قول بخاری اور مسلم میں منقول ہے کہ لیس التحصب بشئ وادی محصب میں قیام کرنا کوئی چیز نہیں ہے حالانکہ حضور اکرم ﷺ سے اس وادی میں قیام منقول ہے لیکن صرف اتنی بات کی وجہ سے کہ کوئی شخص عادت کو عبادت نہ سمجھ لے اس پر یہ انکار فرمایا تو غیر منقول کو عبادت سمجھنا ان کے نزدیک کس قدر قابل انکار ہوگا۔ یہاں سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے جو تعریف یعنی عرفہ کے دن جمع ہونا منقول ہوا ہے وہ بھی یا تو اسی علت سے معطل ہے جس پر تحصب کے بارہ میں ان کا فتویٰ دلالت کر رہا ہے کہ اس جمع ہونے کو عبادت نہ سمجھا

جائے یا بغیر التزام اور اہل عرفات کے ساتھ بغیر تشبہ کے قصد دعا کے ساتھ مؤول ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ وہ شخص مسلمان نہیں تھا یہودی تھا اس کو فرعی مسئلہ کے بتلانے کی حاجت نہیں تھی کہ عید بنانا کیسا ہے بلکہ اس کو ایک خاص طرز پر جواب دیا کہ تم جو یہ کہتے ہو کہ ایسی نعمت عظمیٰ کے ملنے پر عید نہیں ہوئی یہ غلط ہے ہمارے یہاں اس روز پہلے ہی سے عید تھی ، بلکہ اگر غور کیا جائے تو اس جواب سے خود معلوم ہوتا ہے کہ عید بنانا جائز نہیں یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا مطلب یہ ہے کہ ہماری شریعت میں چونکہ ایسے اسباب سے عید کرنا درست نہ تھا اور اللہ تعالیٰ کو اس آیت کے نزول کے دن کو عید کرنا مقصود تھا اس لئے اس کو ایسے ہی دن میں نازل فرمایا کہ عید بھی ہو جائے اور از خود عید بنانے کی بدعت سے بھی حفاظت ہو جائے۔

پانچواں استدلال اور اس کا جواب

پانچواں استدلال وہ اس حدیث سے کر سکتے ہیں کہ جناب رسول اللہ ﷺ نے پیر کے دن روزہ رکھا کسی نے وجہ پوچھی تو یہ ارشاد فرمایا ''ذٰلک الیوم الذی ولدت فیہ'' یعنی میں اس دن پیدا ہوا ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ ولادت کے دن میں قربات کا ادا کرنا مشروع ہے اور فرح و سرور، اجتماع للذکر و تقسیم طعام یا شیرینی یہ سب قربات ہیں پس یہ بھی مشروع ہوں گی۔

اس کا جواب تو یہ ہے کہ یہ تسلیم نہیں کہ یوم ولادت ہونا روزہ رکھنے کی علت ہے ، اس لئے کہ دوسری حدیث میں اس کی علت یہ منقول ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جمعرات اور پیر کے دن نامۂ اعمال پیش ہوتے ہیں تو میرا جی چاہتا ہے کہ میرے اعمال روزہ کی حالت میں پیش ہوں، اس سے صاف معلوم ہوا کہ روزہ کی علت تو اعمال نامہ پیش ہونا ہے اور ولادت کا ذکر بطور حکمت کے فرما دیا گیا ہے، دارومدار حکم کا علت ہوتی ہے نہ

کہ حکمت اب اس پر قیاس کرکے دوسری قربات کو ثابت کرنا کیسے درست ہوسکتا ہے؟ اس لئے کہ حکمت کے ساتھ حکم دائر نہیں ہوتا۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ بالفرض اگر علتِ حکم بھی ہو تو غور کرنا چاہئے کہ یہ علت کی کونسی قسم ہے، کیونکہ علت کی دو قسمیں ہیں، ایک وہ علت ہے جو اپنے مورد کے ساتھ خاص ہوتی ہے اور ایک وہ جس کا تعدیہ دوسری جگہ ہوتا ہے، اگر یہ علت متعدیہ اور عام ہے اور حکم موافق قیاس کے ہے تو کیا وجہ ہے کہ ولادت کے دن میں نوافل اور تلاوت قرآن اور اطعام طعام وغیرہ دوسری قربات حضور ﷺ سے کیوں منقول نہیں ہیں، نیز مثل یوم ولادت کے تاریخ ولادت میں کہ ربیع الاول کی ۹ یا ۱۲ ہے روزہ رکھنا کیوں منقول نہیں۔ دوسرے یہ کہ نعمتیں اور بھی ہیں مثلاً ہجرت اور فتح مکہ، معراج شریف آنحضور ﷺ نے ان کی وجہ سے کوئی عبادت کیوں نہیں فرمائی؟

اس سے معلوم ہوا کہ نہ یہ علت عام ہے اور نہ حکم موافق قیاس کے ہے، علت بھی اسی مقام کے ساتھ خاص ہے اور حکم بھی خلاف قیاس ہے اور اصل مدار روزہ رکھنے کا وحی پر ہے، آنحضور ﷺ کو روزہ رکھنے کا حکم وحی سے ہوا ہوگا، باقی حکمت کے طور پر ولادت کا ذکر بھی فرمادیا گیا ہے ورنہ دوسری نعمتوں کے دن بھی آپ ﷺ روزہ وغیرہ رکھتے کیونکہ وہ نعمتیں بھی باعث سرور ہیں بلکہ باعث از دیاد سرور ہیں۔ جب علت خاص اور حکم خلاف قیاس ہوتا ہے جیسا کہ اس مقام پر ہے تو ایسی صورت میں مجتہد کے لئے بھی اس پر قیاس کرکے دوسرے احکام کا ثابت کرنا درست نہیں ہوتا پھر آج کل کے غیر مجتہدین کو روزہ پر قیاس کرکے دوسرے احکام کا ثابت کرنا کیسے جائز ہوسکتا ہے؟ اگر یہ قیاس درست ہوتا تو صحابہ کرام اور ائمہ مجتہدین اس سے ضرور کام لیتے اور اس ''عید میلاد'' کو اس سے ثابت کرکے اس پر عمل فرماتے، مگر انہوں نے ایسا نہیں کیا، یہ

بھی اس کی دلیل ہے کہ یہ قیاس بالکل غلط اور ناجائز ہے۔

حیرت کا مقام ہے کہ پیر کے دن روزہ رکھنے سے ''عید میلاد'' کا جواز ثابت کرنے والے ربیع الاول کو تو عید میلاد مناتے ہیں حالانکہ اس تاریخ میں خصوصیت کے ساتھ نبی اکرم ﷺ سے کوئی عمل بھی منقول نہیں ہے اور ہر پیر کے دن جس میں آنحضرت ﷺ نے روزہ رکھا ہے یہ لوگ اس میں نہ تو عید ہی مناتے ہیں اور نہ روزہ ہی رکھتے ہیں۔

ایک شبہ کا ازالہ

حضور اکرم ﷺ کے مکہ معظمہ سے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے موقع پر مدینہ منورہ میں آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری کا انتظار تھا اس لئے کئی روز تک صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا وفد مدینہ منورہ سے باہر آپ کی تشریف آوری کے انتظار میں آتا رہا، اس سے بھی بعض کم فہم لوگوں نے اپنے مقصد یعنی جلوس کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے، حالانکہ آنحضرت ﷺ کے قدوم میمنت لزوم کے وقت آپ ﷺ کے استقبال کے لئے اجتماع ہوجانا ایک علیحدہ مسئلہ ہے اس کا اس عید میلاد کے جلوس سے کیا تعلق ہے؟ اور ان بدفہم لوگوں کو یہ بھی سوچنا چاہئے کہ کیا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر سال ہجرت کے دن جلوس نکالا کرتے تھے؟ یہ استقبال کا جلوس تو پہلے قدوم مدینہ کے وقت ہی ثابت ہے یا غزوات سے واپسی پر استقبال کے وقت ایسا ہوا ہے، یوم ولادت پر تو ایسا نہیں ہوا اور نہ ہی یوم ہجرت پر ہر سال ایسا ہوتا رہا۔

رسم عید میلاد پر عقلی کلام

شریعت میں ہر فعل کا ایک سبب ہوتا ہے، جس قدر عبادات شریعت نے مقرر کی ہیں ان کے اسباب بھی مقرر کئے ہیں اس سبب اور مسبب کی تین صورتیں شریعت

میں پائی جاتی ہیں۔

ایک یہ کہ سبب میں تکرار ہو اور وہ بار بار پایا جاتا ہو، تو سبب کے مکرر ہونے سے مسبب بھی بار بار پایا جائے گا، جیسے وقت نماز کے لئے سبب ہے، جب وقت آئے گا نماز بھی فرض ہوجائے گی، اسی طرح رمضان روزہ کے لئے سبب ہے، جب رمضان المبارک آئے گا روزہ فرض ہوجائے گا۔

دوسری صورت یہ ہے کہ سبب بھی ایک ہو اور مسبب بھی ایک ہو کہ جیسے بیت اللہ شریف حج کے لئے، چونکہ سبب ایک ہے اس لئے حج عمر بھر میں ایک ہی مرتبہ فرض ہے، یہ دونوں قسمیں تو مدرک بالعقل ہیں (عقل میں آتی ہیں) اس لئے کہ عقل بھی اس کا تقاضا کرتی ہے کہ سبب کے تکرار و توحد سے مسبب متکرر اور متوحد ہو۔

تیسری قسم یہ ہے کہ سبب ایک ہو اور مسبب کے اندر تکرار ہو یعنی سبب ایک بار پایا گیا مگر مسبب بار بار پایا جاتا ہے جیسے حج کے طواف میں رمل (یعنی شانے ہلاتے ہوئے اکڑ کر طواف کرنا) اس کا سبب (اراءۃ قوت) مشرکین کو اپنی قوت دکھلانا تھا کیونکہ مدینہ طیبہ سے جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حج کے لئے مکہ معظمہ آئے تو مشرکین مکہ نے کہا تھا کہ ان لوگوں کو یثرب کے بخار نے ضعیف اور بودا کر دیا ہے، تو حضور ﷺ نے صحابہ سے فرمایا کہ طواف میں رمل کریں، اب وہ سبب اراءۃ قوت تو نہیں رہا لیکن طواف میں رمل باقی رہا، یہ عمل مدرک بالعقل نہیں اور جو عمل خلاف قیاس ہوتا ہے اس کے لئے نقل اور وحی کی ضرورت ہوتی ہے اس میں بجز وحی کے کوئی راستہ نہیں ہے، ایسے عمل پر قیاس کرکے کسی دوسرے عمل کو جاری نہیں کیا جاسکتا۔ اب سوال یہ ہے کہ عید میلاد کا سبب کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ صرف حضور ﷺ کی ولادت کی تاریخ ہونا، دوسرا سوال یہ ہے کہ وہ تاریخ جو سبب ہے عید میلاد کا وہ ایک ہے جو گزر گئی یا وہ تاریخ بار بار آتی ہے؟ بھی

ظاہر ہے کہ وہ تاریخ ہوگئی ہے چونکہ اب جو ۱۲/ ربیع الاول کی تاریخ آتی ہے وہ اس خاص تاریخ ولادت کی عین نہیں صرف مثل ہے اس واسطے مثل کا مدار حکم ہونا اور مثل کے لئے وہی حکم ثابت ہونا جو عین کے لئے تھا کسی دلیل نقلی کا محتاج ہوگا اور بوجہ غیر مدرک بالعقل ہونے کے اس میں قیاس حجت نہیں ہوگا اور عید میلاد منانے میں کوئی دلیل نقلی پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکی اس لئے اس کو شریعت پر زیادتی اور بدعت کہا جائے گا۔

یہاں یہ شبہ نہ کیا جائے کہ حضور ﷺ نے پیر کے دن روزہ رکھنے کی وجہ "ولدت فیہ" اس میں میری ولادت ہوئی ہے سے بیان فرمائی ہے حالانکہ روز ولادت گزر گیا اب یہ اس کا مثل ہے اس کو اصل کا حکم کیوں ہوا؟ اس لئے کہ روزہ تو خود منقول ہے اور یہ اوپر گزر چکا ہے کہ اس صورت میں وحی کی ضرورت ہوتی ہے اور آپ ﷺ نے وحی سے یہ روزہ رکھا ہے س لئے اس پر قیاس نہیں ہوسکتا۔

اسی طرح حجۃ الوداع میں باوجودیکہ مکہ مکرمہ فتح ہوچکا تھا اور مشرکین کو اراءۃ قوت کی ضرورت نہیں رہی تھی، پھر بھی حضور ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے طواف میں رمل باقی رکھا، یہ اس کی دلیل ہے کہ یہ عمل اراءۃ قوت کے بغیر بھی مامور بہ ہے اور سبب کے فقدان کے باوجود بھی بحالہ باقی ہے ورنہ حجۃ الوداع میں ارتفاع علت کی وجہ سے حکم مرتفع ہوجاتا۔ غرضیکہ نقل اور عقل ہر طرح سے بحمداللہ ثابت ہوگیا کہ یہ عید میلاد مخترع، ناجائز اور بدعت واجب الترک ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ہم کو ولادت نبوی ﷺ پر فرحت اور سرور کا حکم ہے مگر یوم ولادت کو عید منانا شرعاً درست نہیں ہے۔

مولانا محمد آصف چنیوٹی

اخبارالجامعہ

۱۶محرم الحرام:حضرت مدظلہم کے قرآن پاک کے استاذجناب حضرت قاری نصیراحمدصاحب کی والدہ محترمہ جھنگ میں انتقال فرماگئیں،اناللہ واناالیہ راجعون۔حق تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائیں اورپسماندگان کوصبرجمیل عطافرمائیں۔حضرت مدظلہم اورجامعہ کے اساتذہ نے جنازہ میں شرکت فرمائی ۔۲۲:حضرت مدظلہم نے جامع مسجدخالدبن ولیدفروکہ میں بعدنمازعشاءدرس قرآن ارشادفرمایا۔۲۵:حضرت مدظلہم نے جامعہ اسلامیہ محمودیہ سرگودھامیں ہفتہ وار بخاری شریف کا درس دیا۔۲۸:حضرت مدظلہم جامعہ دارالعلوم الاسلامیہ کامران بلاک لاہورشوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے لاہورتشریف لے گئے۔اورجامعہ ھذامیں طلباوطالبات کے سہ ماہی امتحانات شروع ہوئے ۔۳۰:حضرت مدظلہم نے مدرسہ مدینۃ العلوم سرگودھامیں چندطلباکوحفظ قرآن کے موقع پرآخری سبق پڑھاکربیان فرمایا۔۲:صفرالمظفر:جامعہ میں طلباکاتقریری امتحان ہوااس کے بعد تمام طلبادودن کی رخصت پرپروانہ ہوئے ۔۶:حضرت مدظلہم کے شیخ اورہمارے بزرگ حضرت اقدس نواب عشرت علی خان قیصرصاحب نوراللہ مرقدہ کراچی میں انتقال فرماگئے اناللہ وانا الیہ راجعون دعاہے کہ اللہ پاک حضرت کواعلیٰ درجات نصیب فرمائیں اورپسماندگان کو صبرجمیل عطافرمائیں ۔۸:حضرت مدظلہم نے مدرسہ اشرف العلوم چوہال میں حفظ قرآن مکمل کرنے والے طلباکوآخری سبق پڑھاکربیان فرمایا۔۹:حضرت مدظلہم نے مدرسہ امدادیہ فتحیہ سلانوالی میں ماہانہ درس ارشادفرمایا۔حضرت مولاناعبدالغفارصاحب تونسوی مدظلہم جامعہ میں ماہانہ ردفرق باطلہ پرسہ روزدرس کے لئے تشریف لائے۔۱۳:حضرت مدظلہم جامعہ خیرالمدارس ملتان سالانہ شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے لئے ملتان تشریف لے گئے۔

